



www.safareadab.com

WEB SPECIAL NOVEL

ذو الکفہ

نور بانو



ڈو، کفل



از قلم نور بانو

All Rights Reserved

Copyright: Noor Bano (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

safareadab@gmail.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com



BEING THE STRING OF YOUR KITE

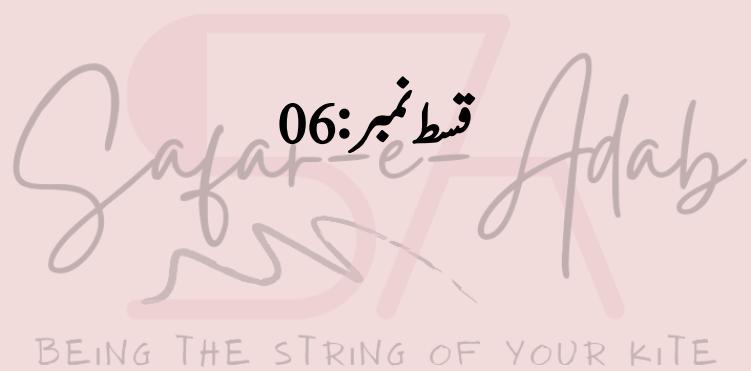
Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

ڈوالکفل کے تمام جملہ حقوق لکھاری "نور بانو" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سو شل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار مخصوص تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔





سورج نرم بادلوں کے درمیان سے انگڑائی لیتا آسمان پر اپنے جلوے بکھیر رہا تھا۔ ہاؤسنگ سوسائٹی کے بنگلے کی بلند کھڑکیوں سے اندر جھاٹک کر دیکھو تو بینش اور ذوالکفل ڈائینگ ٹیبل پر خاموشی سے بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ذوالکفل روز مرہ کی طرح پولیس یونیفارم میں ملبوس نک سک سا تیار چھری کا نٹ سے آملیٹ کھا رہا تھا۔ بیلا گرم پر اٹھے ہات پاٹ میں رکھ رہی تھی۔

"یہ لو خاص تمہارے لئے بنوایا ہے۔"

بینش سکندر نے پر اٹھا ذوالکفل کی جانب بڑھایا۔

"میرا دل نہیں ہے۔"
آملیٹ منہ میں ڈالتے ہوئے۔ اس نے مختصر سا جواب دیا۔ جب سے ذوالکفل نے شادی کے لئے ہامی بھری تھی، تب سے وہ بکل خاموش ہو گیا تھا۔ صح بنا ناشتے کے اسٹیشن جانا اور پھر رات میں گھر دیر سے آنا۔ اس کا معمول بن گیا تھا۔ آج بھی محض بینش کے اصرار پر وہ ناشتے کے لئے بادل ناخواستہ بیٹھ گیا تھا۔

ذوالکفل کے چہرے پر موجود ویرانی نے بینش کے دل کو زور سے مُسٹھی میں لیا۔

"کیا تم اپنی ماں سے ناراض ہو؟"

بینیش کے اچانک سوال پر ذوالکفل نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر مزید چونکا۔ اُن کی آنکھ میں آنسو تھے۔

"مجھے معاف کر دو ذول۔ میں اپنی بھتیجی کی محبت میں اتنی اندھی ہو گئی تھی کہ ایک پل کے لئے بھی اپنے بیٹے کی خوشیوں کے بارے میں نہیں سوچا۔"

انہوں نے فوراً ذوالکفل کو بازو سے کھینچ کر اپنے ساتھ لگایا۔ ماں کا دل تھا۔ بیٹے کی مسکراہٹ غائب ہونے پر دہل کر رہ گیا۔

"میں تمہاری گنہگار ہوں ذول مجھے معاف کر دو۔"

وہ بُری طرح سکنے لگیں۔ اپنے چہرے پر ماں کے گرم آنسو کے قطرے محسوس کرتے ہوئے۔ اس نے مسکرا کر سر اٹھایا۔ رخسار پر ٹھہرے آنسوؤں کو انگلی کے پوروں سے خشک کیا اور محبت سے بینیش کے ماتھے کو چوما۔

"میری ڈارلنگ روئے ہوئے بلکل اچھی نہیں لگتی۔"

اپنے بیٹے کی محبت پر ان کا دل مزید بھر آیا۔ دل پر پھر رکھ کر دوسرے کی خوشی کے لئے مسکرانے کا جگر تو سکندر خان کی اولاد میں ہی ہو سکتا تھا۔

"آپ خود کو قصوروار مت سمجھیں امیٰ مجھے اس رشتے پر واقعی کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

اس کے لفظوں نے جلتے زخموں پر مرہم کا کام کیا تھا۔

"مجھے لگا شاید میں شادی جیسی بڑی ذمے داری کے لئے ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔ مگر آپ مجھے مجھ سے بھی بہتر جانتی ہیں۔ آپ نے اگر اپنی بھتیجی کے لئے مجھے منتخب کیا ہے تو یقیناً کچھ بہتر سوچ کر ہی کیا ہے۔"

وہ مسکرا یا۔ بینش کو اپنے دل سے کچھ بوجھ سا اُترتے محسوس ہوا۔

"یقیناً میرا اللہ مجھ سے راضی ہے ڈول تجھی انعام میں تم جیسا سعادت مند اور فرمانبردار بیٹا ملا ہے۔"

انہوں نے اس کے چہرے کو ہتھیلی کے پیالے میں بھرتے ہوئے۔ اس کے چہرے کو شفقت سے چوما۔

"اچھا میڈم اب آپ کی اجازت ہو تو میں استیشن کے لئے نکلوں؟"

ٹوپی اپنے سر پر جماتے ہوئے اس نے شرارتی انداز میں اجازت طلب کی۔۔۔ بینش نے جواباً مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ ٹبل پر رکھا موبائل جیب میں ڈال کر وہ دروازے کی جانب چل پڑا۔ ابھی ہاتھ ہینڈل پر رکھا تھا کہ پیچھے سے بینش سکندر زور سے بولیں۔

"میں نے اُس کی تصویر واٹس ایپ کر دی ہے۔ شادی سے پہلے ایک بار دیکھ لو ورنہ"

وہ پلٹا۔

"ورنہ؟"

اُسے لگا بینش پھر کوئی نئی دھمکی دینے والی ہیں۔

"ورنہ منگنی کے بعد بھی دیکھ سکتے ہو کوئی مسئلے والی بات نہیں ہے۔"
 پر اٹھے کا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے۔ انہوں نے شانے اچکائے۔ ذوالکفل بے ساختہ ہنسا تھا۔
 ماٹھے کو نفی میں دائے بائے ہلایا۔

"بہت بڑی ایکٹر ہیں آپ"

زیر لب بڑھاتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔ پورچ میں پولیس کی موبائل اور دو حوالدار اس کے منتظر کھڑے تھے۔ جیب میں رکھا موبائل واہبریٹ ہوا۔ اس نے موبائل نکال کر واٹس ایپ کھولا۔ بینش سکندر کی چیٹ سب سے اوپر تھی۔ اس نے چیٹ کھوئی۔ دھندلی سی تصویر پر بے دلی سے ہارت ری ایکٹ دیا اور تصویر ڈاؤن لوڈ کرنے بغیر ہی ڈلیٹ کر دی۔

جب تقدیر نے اپنا فیصلہ سنایا تھا تو ان رسومات کی بھی کیا ضرورت تھی۔ اس نے بھی اپنے سارے معاملات اللہ پر چھوڑ دیئے۔

اندر ڈائیٹل ٹیبل کی سربراہی کر سی پر بیٹھیں بینش سکندر کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی تھی۔ اسکرین پر ذوالکفل کے تصویر پر ہارت ری ایکٹ کرنے کا نوٹیفیکیشن ابھرا تھا۔ جسے دیکھ کر ان کے چہرے پر طمานیت بھری مسکان نمودار ہوئی۔ دل میں عجیب سا سکون اترتا محسوس ہوا تھا۔



کھڑکی سے آتی سورج کی روشنی اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے ریم نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ گرے رنگ کی دیواریں اور ان پر لگیں اُن تصویروں کو دیکھ کر اُسے اجنبیت کا احساس ہوا تھا۔ یہ اُس کا کمرہ نہیں تھا۔ وہ چونکی۔۔۔۔۔ !

کھڑکی کے پردے ہوا سے ہل رہے تھے۔ کان میں پرندوں کے چپھانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے آہستہ آہستہ بیدار ہوتے ذہن کے ساتھ پورے کمرے میں باری باری نظر ڈالی اور پھر کونے میں رکھے کاؤچ پر خواب خرگوشی میں مبتلا جنید کو دیکھا۔

اُسے ایک دم سے کل رات والے تمام مناظر یاد آنے لگے۔

وہ اندر ہیر سنسان گلی، عرفات کی سرخ آنکھیں اور خون سے لت پت کتوں کا مردہ وجود۔۔۔۔۔ اس نے زور سے آنکھیں مجھ لیں۔ اُسے اپنے روگنگے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

کسی کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا مگر ریم بچپن سے ہیموفوبیا کی شکار تھی۔ اُسے خون سے خوف آتا تھا۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں چھٹ سے لکھتے پنکھے کو دیکھنے لگی۔

خون میں لکھڑی ہوئی لاش اس کی آنکھوں کے سامنے کالے سائے کی طرح رقص کرنے لگی تھی۔ سفید بادل اور سورج کی جلا دینے والی شعاعوں تلے وہ گاڑی سڑک کے پیچوں بیچ اوندھی پڑی تھی۔ اُس لاش کا آدھا دھڑک گاڑی کے اندر تھا۔

ار گرد گرد پولیس الہکار واقع کی تفتیش کر رہے تھے۔ وہاں لوگوں کا ایک لمبا چوڑا ہجوم تھا۔ ریم کی گاڑی کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھی کھڑکی سے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اس لاش کا چہرہ سرخ قطروں کی زد میں تھا۔ جس وجہ سے چہرہ پہچان میں

نہیں آرہا تھا۔ دوسری طرف سارہ بیگ کسی پولیس آفیسر سے کھڑیں بات کر رہی تھیں۔ ریم کی نظر سائز ایمبولینس پر پڑی۔ جس میں سے چند لوگ اُتر کر اب اُس بے جان وجود کو احتیاط سے اسٹرپچر پر ڈال رہے تھے۔

اُسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ بادی کس کی تھی۔ یہاں کس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور سارہ کو پولیس والوں نے اچانک کال کر کے کیوں بلوایا تھا۔ سارہ اُسے اسکول سے پک کر کے گھر لیکر جا رہی تھیں۔ تب اچانک ان کا موبائل بنجنے لگا۔ اور پھر وہ گھر جانے کے بجائے سیدھا یہاں آگئے۔

ایمبولینس اس کی گاڑی کے بلکل پیچے ذرا فاصلے پر رکی تھی۔ ریم کی نظر اُس اسٹرپچر پر جمی تھی۔ جس پر موجود ڈیڈ بادی سفید چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ جو جگہ جگہ سے خون آلود تھی۔ اسٹرپچر کے ساتھ چلتیں سارہ اور دوسرے پولیس اہلکار۔ وہ ماوف ذہن کے ساتھ سب دیکھ رہی تھی۔ تیز ہواں سے ریم کی آنکھیں لمبے بھر کے لئے چندھیا گئیں۔ اس نے اپنی آنکھیں مسلیں اور سامنے دیکھا۔

اسٹرپچر اب بلکل ریم کی نظروں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ جب ہوا کے تیز جھونکے سے چادر سرکی۔ بادی کی پیشانی، آنکھیں، ناک یہاں تک کہ پورا چہرہ واضح ہو گیا۔ اس کے پیروں تلے زمین پوری شدت سے ہلی تھی۔ اسٹرپچر پر لیٹا شخص کوئی اور نہیں تھا۔ اس کا باپ تھا۔ اس نے کرنٹ کھا کر حادثے کی گاڑی کو غور سے دیکھا اور اگلے ہی پل اس نے خود کو گاڑی کا دروازہ کھول کر بھاگتے ہوئے پایا۔

ایک پولیس الہکار نے اُسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر اُسے بابا بابا کی پکار لگاتے سن کر چھوڑ دیا۔ سارہ نے اُسے دیکھا۔۔۔ وہ اسٹرپچر کے پیچھے نئے قدموں سے پوری قوت لگا کر بھاگ رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئیں ریم کے پاس آئیں۔ اُسے اپنے حصار میں لیا۔ مگر وہ تمام حدیں توڑ کر کسی تیز رفتار پر ندے کی طرح اپنے بابا تک پہنچ جانا چاہتی تھی۔

"بابا۔۔۔ وہ میرے بابا ہیں۔۔۔"

وہ جنونی انداز میں زور سے چلا رہی تھی۔

"ریم بیٹی سن بھالو خود کو"

سارہ نے اُسے کس کر پکڑا ہوا تھا۔ ریم کے لئے ان باتوں کا سمجھنا مشکل تھا کہ اُسے اپنے باپ کی ڈیڈ بادی سے آخر کیوں دور کیا جا رہا تھا۔۔۔
"پلیز مجھے بابا کے پاس جانا ہے پلیز۔۔۔"

وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔ منتین کر رہی تھی۔ لیکن کسی نے اس کی التجاویں پر کان نہیں دھرے۔ اس نے چند لوگوں کو افسوس کرتے دیکھا۔ وہ یکدم مشتعل ہوئی۔ اس نے درشتی سے سارہ کی مضبوط گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور پوری قوت سے بھاگی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ ایکبو لینس کا دروازہ اس کے منہ پر بند کر دیا گیا تھا۔ وہ لوگ اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے تھے۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ خاموش، سرد اور ساکن وجود اس کے باپ کا تھا۔ یقین تو آج بھی نہیں آتا تھا۔ زخم آج بھی ہرا تھا۔ تکلیف دیتا تھا۔

"بابا"

ریم نے کرب سے ایڑیاں بستر پر پھینیں۔ جنید کی آنکھ کھل گئی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

"ریم تم ٹھیک ہو۔؟"

وہ بستر پر چت لیٹی تھی۔ آنکھوں سے آنسو اُبل رہے تھے۔ چہرہ بلکل سرخ ہو چکا تھا۔ اس نے مٹیاں بھینچ رکھی تھیں۔ جنید اس کی کیفیت دیکھ کر متفلکر سا کاوش سے اٹھ کر اس کے نزدیک چلا آیا۔

"کیا ہوا ہے ریم مجھے بتاؤ پلیز"

اس نے ریم کو سہارا دے کر بٹھانے کی کوشش کی۔۔۔ وہ ہیکلیوں سے رو رہی تھی۔ اُس کے آنسوؤں کو دیکھ کر جنید کے دل کو کچوکے لگے تھے۔ اُسے ریم کا پاگلوں کی طرح رونا سمجھ نہیں آرہا تھا۔ کیا اس نے کوئی خواب دیکھا تھا یا پھر وہ کل رات کی وجہ سے ابھی بھی اسٹریس میں تھی۔

وہ کافی دیر تک اُس کے پاس بیٹھا اُسے چپ کروانے کی کوششیں کرتا رہا اور وہ اس کے کندھے پر سر رکھے ناجانے کتنی دیر تک روتی رہی تھی۔ کچھ دیر دل کھول کر رونے کے بعد وہ جب تھک کر چپ ہوئی تو اُسے احساس ہوا کہ وہ بے دھیانی میں جنید کے کتنے نزدیک آگئی ہے۔ اس نے اپنے بے بس ہوتے وجود کو سنبھالا۔۔۔ جنید کا چہرہ سرخ ہوا۔ وہ فوراً بستر سے اٹھا اور سائیڈ ٹیبل کی جانب جھک کر جگ سے گلاس میں پانی ڈالنے لگا۔ ریم نے ہتھیلی سے آنسو خشک کرتے ہوئے کن اکھیوں سے جنید کو دیکھا تھا۔

"تمہیں ہیمو فو بیا ہے؟"

پانی کا گلاس ریم کی جانب بڑھاتے ہوئے جنید نے سرسری سے انداز میں استفسار کیا۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

اس نے حیرت سے جنید کو دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ جواباً کچھ پوچھنے کے بجائے وہ خاموشی سے اس کے چہرے کو تکنے لگا۔ بکھرا ہوا کاجل، چہرے پر رونے کی وجہ سے لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ لیپسٹک کا رنگ بھی ہلاکا پڑ گیا تھا۔ وہ جنید کو ایک لمحے کے لئے اجنبی سی لگی تھی۔ جس ریم کو وہ چاہتا تھا۔ یہ وہ ریم تو ہرگز نہیں تھی۔

"تم منه ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ۔"

اس نے گھری سانس لیکر نظریں ہٹاتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر باٹھ روم میں گھس گئی۔ کچھ دیر بعد وہ واش روم سے نکلی تو جنید کمرے میں نہیں تھا۔ باہر کچن سے برتنوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ باہر ٹوی لاونج میں آئی۔ جنید اوپن کچن میں کھڑا انڈے فرائی کر رہا تھا۔ وہ ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑی خاموشی سے اُسے کام کرتا دیکھنے لگی۔

جنید ناشتے کی ٹرے لیکر جیسے پلٹا تو ریم کو لاونج میں کھڑا دیکھ کر مسکرا یا۔ سمشے ہوئے بال چے اس نے اوپنے جوڑے کی شکل میں باندھا ہوا تھا۔ پانی سے دھلا سانولی رنگت والا شفاف چہرہ اس کے دل کو تسلیم بخش رہا تھا۔ رونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں تھوڑی سی سوچ گئی تھیں مگر چہرے پر ایک الگ سی تازگی تھی۔ اس کی پیشانی کے بال ہلکی سی نمی لئے ہوئے تھے۔ چند لمحوں پہلے اجنبی لگنے والی ریم پھر سے جنید کو شناسا سی لگ رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

جنید کی نظریں مسلسل خود پر جمی دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

"یہی کہ یہ ریم میک اپ کے بغیر کتنی خوبصورت لگتی ہے۔"

ریم کو تند مزاجی سے دیکھتے ہوئے۔ اس نے ٹرے ٹبل پر رکھی اور آہستگی سے اُس کے لئے کرسی کھینچ کر ناظروں سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اس کی نگاہوں سے ٹرے ٹرے سے کرسی اور پھر کرسی سے دوبارہ اس کی نگاہوں کی طرف دیکھتے ہوئے ریم نے نظریں چڑا لیں۔ وہ ہنوز اس کے بیٹھنے کا منتظر کھڑا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے کرسی پر بیٹھ گئی اور چُپ چاپ ناشتا کرنے لگی۔

درمیان میں ایک عجیب سی خاموشی حائل ہو گئی تھی۔ جنید کرسی سے ٹیک لگائے۔ ریم کو ٹھوٹلتی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ریم اس کی ناظروں کی زد میں بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ اور یہ بے چینی جنید بخوبی دیکھ رہا تھا۔ وہ محظوظ ہوا تھا۔

چند خاموش وقوف کے بعد وہ ریم کے رخساروں کو اپنے پوروں سے اچھوتے ہوئے بہت دھیرے سے بولا۔

"اپنے اوپر سے عدم تحفظی کا یہ خول اُتار دو ریم"

وقت ٹھہر گیا۔ سانسیں ٹھہر گئیں۔ ریم نے بے یقینی سے پلکیں اٹھائیں۔ اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھنا بڑا مشکل تھا۔

"تم جیسی ہو مکمل ہو۔ تمہیں اپنی خامیوں کو چھپانے کے لئے بناؤنی سنگہار کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ اس کی روح میں جھانک رہا تھا۔ وہ جیسے تمام راستے، دوریاں عبور کر کے اس کے اندر اُتر چکا تھا۔ اس کی شہر رگ میں سما چکا تھا اور اُسے خبر تک نہیں ہوئی تھی۔

"تمہیں پتا ہے تمہاری آنکھوں میں سحر ہے۔ جب یہ مقابل کی آنکھوں میں جھانکتی ہیں تو سانسیں روک لیتی ہیں۔ انسان مر بھی سکتا ہے۔"

اس نے ریم کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے سے لگایا اور

ریم یلک اُسے دیکھتی گئی۔

"اور تمہارا چہرہ"

وہ رکا۔۔۔ ریم کا دل بھی رک گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE
"زندگی کو منور کرنے کے لئے تمہارے چہرے کی جانب نظر کر لینا کافی ہے۔"

وہ بہت نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ریم کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ وہ پوری لگن کے ساتھ ایک ایک تفصیل دے رہا تھا۔ وہ اپنا وقت پورا کر رہا تھا... وہ اس کی آنکھوں میں وہ جذبہ دیکھ سکتی تھی۔ احساسات سے بھر پور لہجہ۔۔۔) اُففف (

"تمہیں خود کو قیمتی دکھانے کے لئے برینڈ چیزوں کی ضرورت نہیں ہے ریم، تمہارا کافنیڈ نس، تمہاری بے باقی، تمہاری ذہانت سب کچھ ایک برینڈ ہے۔ ریم بیگ سر سے پاؤں تک ایک برینڈ ہے۔ مہنگا اور قیمتی برینڈ"

وہاں بیٹھے زندگی میں پہلی بار ریم بیگ نے اپنی ذات کے اندر جھانک کر دیکھا۔ آج تک دنیا نے اُسے وہ آئینہ دکھایا تھا۔ جس میں وہ محض خود کو باہر سے دیکھ سکتی تھی۔ آج سے پہلے اس نے کبھی ان خوبیوں پر نظر ہی نہیں ڈالی تھی۔ کیا واقعی اس میں وہ تمام کواٹیز تھیں۔ جن کا ذکر جنید کا دل جھوم جھوم کر کر رہا تھا یا پھر یہ کوئی نیا فریب تھا۔

اُسے پتا ہی نہیں چلا کب ریم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے فوراً ہاتھ ٹشو بَاکس کی جانب بڑھایا۔ جسے جنید نے روک دیا۔
 "کبھی کبھی ولنر بیل ہو جانا چاہئے۔ ہر وقت خود کو مضبوط دکھانے کی کوشش انسان کو کھوکلا کر دیتی ہے۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ ایک ایک کر کے ریم پر سالوں سے چڑھے ان برف کی تہوں کو چٹھا رہا تھا۔ اُسے دنیا کی قید سے فرار دے رہا تھا۔ ریم نے اپنا سر اس کے ہاتھوں پر گرا دیا۔ جو اس وقت شجر سایہ دار کی طرح اس پہ اپنی چھاؤں کر رہا تھا۔ تنهائی میں بہنے والے آنسو آج دوسری بار دل کھول کر نکلے تھے۔ بنا کسی خوف کے، بنا کسی ڈر کے۔!!!

"میں تمہارے آنسوؤں کا محروم ہوں ریم ان پر میں نے اپنے سکون کا بند باندھ دیا ہے۔ اب تمہیں رونے کی اجازت نہیں۔!!!"

ریم اس لمح سراپا زعفران بن گئی تھی۔ کیا شدت تھی اُس کے لفظوں میں۔۔۔ وہ کوئی جادو گر تو نہیں تھا مگر اس کے لفظ جادو سا اثر رکھتے تھے۔

زندگی میں آپ کتنے ہی ایسے لوگوں سے ٹکراتے ہیں۔ جو آپ کی ظاہری خوبصورتی اور صلاحیتوں سے پہلے آپ کے اندر جھانک کر دیکھتے ہیں؟۔ جواب ہے، بہت کم اشاید لاکھوں میں کوئی ایک انسان ہی ایسا ہوتا ہے۔ جس میں مقابل کی روح میں جھانکنے کی ہمت ہوتی ہے۔ تمہیں کبھی کوئی ایسا شخص ٹکرائے تو اُسے کھونا مت۔۔۔ یہ لوگ نایاب ہوتے ہیں۔ مشکل سے ہاتھ آتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے۔ جیسے سمندر کی تہ میں چھپا کوئی خزانہ، جو ساحل کے کنارے پر کبھی پڑا نہیں ملتا۔ اسے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ لیکن صدیوں میں کبھی ایک بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ خزانے بنائیں جدو جہد کے ہی مل جاتے ہیں۔

ریم کا وجود بارِ حیا سے ٹوٹ رہا تھا اور پلکوں کی جھال رٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ دل تھا کہ جھوم جھوم کر جنید گیلانی کے حضور سجدہ ریز ہونے کو تیار تھا۔



دوپھر کے ڈھائی نج رہے تھے۔ جب جانان چابی سے بیرونی دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہوئی۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کی جینز پر پیلے رنگ کی گرتی پہن رکھی تھی۔ جس پر سفید رنگ کے پھول بنے تھے۔ گرتی کی آستینوں کو موڑ کر کچھ اوپر کر رکھا تھا۔ جس میں سے اس کی

دودھیاں کلائیاں جھلک رہی تھیں۔ بال بھی اوپرے جوڑے کی صورت لاپرواہی سے باندھ رکھے تھے۔ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنے رف سے چلیے میں تھی۔

دروازہ بند کرتے ہوئے اُسے لاونج سے زرینہ کی باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ساتھ کوئی دوسری عورت بھی تھی۔ جو ہنس رہی تھی۔ اُسے لگا شاید محلے کی کوئی عورت آئی ہوئی ہے۔ اس نے منہ کے زاویے بگاڑے۔۔۔!!

"پھر آگئیں اپنی ساس کی چغلیاں کرنے۔۔۔ خود تو گناہگار ہوتی ہیں ساتھ میں اُمی کو بھی شامل کر لیتی ہیں۔"

جانان کو اپنی محلے کی عورتوں کا گھر آنا جانا کچھ خاص پسند نہیں تھا۔ اپنے گھر کی ستائی ہوئی ان عورتوں کے پاس اپنے خاوندوں کے غیر منصفانہ سلوکی کے قصوں اور ساس کی چغلیوں کے سوا کرنے کو کچھ نہیں تھا۔

صحن کا فرش دھوپ میں تپ تپ کر فولاد ہو چکا تھا۔ وہ چہرے پر ہاتھ کا چھبیا بناتی لاونج کے دروازے تک آئی۔ دھوپ کی شعاعوں کی وجہ سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ جھٹک کر جو گرز اُتارتے ہوئے۔ اُس نے محسوس کیا کہ اندر لاونج میں سکوت چھاگئی ہے۔ شاید وہ اُسے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے۔ دھوپ کی تمیش اب ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ وہ بے نیازی سے جلدی جلدی تسمے کھولنے لگی۔

اس نے جو گرز اتار کر کنارے پر رکھے اور نظر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ دھوپ سے یکدم چھاؤں میں آنے کی وجہ سے اُسے سب تاریک نظر آ رہا تھا۔

چند گھری سانسیں لے کر اس نے آنکھیں بیچیں۔۔۔!! اب وہ بیگ اور چند فائلز ڈائنسگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ سب نارمل ہو رہا تھا۔ لاونج کی خاموشی ہنوز برقرار تھی۔

ٹیبل پر رکھا بیگ، فائلز، گلاس اسٹینڈ اور پھر جاناں کی پہلی نظر سنگل صوفے پر بیٹھیں زریمنہ پر گئی۔۔۔ پھر اس عورت پر جو زریمنہ کے مقابل تھری سیٹر صوفہ پر بیٹھی تھیں۔ ان کی پشت جاناں کی طرف تھی۔ اپنے کمرے تک جانے کے لئے اُسے ان کے سامنے سے گزرنا تھا۔

اس نے تیسرا نظر زریمنہ کے چہرے پر ڈالی۔ ان کے چہرے پر بیک وقت بہت سے رنگ نمودار ہوئے تھے۔ جاناں کو کچھ عجیب لگا۔ وہ عورت پلٹی۔ مگر تب تک جاناں نظر گھما چکی تھی۔ وہ دیوار پر گلی گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے رخ موڑا اور جاناں کی دھڑکن ایک پل میں بڑھی اور پھر اس نے خود کو بڑی دکت سے سانس کھینچتے دیکھا۔ وہ بینش سکندر تھیں۔ اجلال خان کی بہن۔۔۔ زریمنہ سبز واری کی نند۔۔۔ ذوالکفل کی ماں۔۔۔ بس اس کے سوا وہ انہیں کچھ نہیں سمجھتی تھی۔ ناجانے کیوں اُس ایک کمزور لمحے میں لئے گئے اتنے بڑے فیصلے پر جاناں کو شدت سے پچھتاوا ہوا۔ ماضی یاد آیا، روتا ہوا بچپن آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگا۔ وہ سب کچھ بھی یاد آگیا۔ جو وقت کی دھول میں دب گیا تھا۔

اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ زریمنہ اندازہ نہیں کر سکی کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ اس کا چہرہ بلکل سپاٹ تھا۔ ہر تاثر سے خالی تھا۔ بینش یکدم صوفے سے کھڑی ہو گئیں۔

"جان۔۔۔ میری بیٹی کیسی ہے؟"

ان کے لب ہلے۔۔۔ وہ بہت چھوٹی تھی۔ جب انہوں نے اُسے دیکھا تھا۔ پھر تب سے اب تک وہ اُسے محض تصویروں میں دیکھتی آئی تھیں۔ آج وہ اُن کے روپ روکھڑی تھی۔ ان کے بھائی کی نشانی۔۔۔ ان کا اپنا خون۔۔۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر جاناں کی جانب بڑھیں۔ اس کے چہرے کو محبت سے اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے۔ انہوں نے اس کے ماتھے پر شفقت سے مہر ثابت کی۔۔۔ کھینچ کر اپنے سینے سے لگایا۔ جاناں دم سادھے کھڑی تھی۔ بنا کچھ کہے، کوئی بھی تاثر دیئے بغیر وہ بس اُن کے ہر عمل کو چُپ چاپ ملاحظہ کر رہی تھی۔

پیچھے بیٹھیں زرینہ منتقلہ سی کھڑی ہو گئیں۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں جاناں کوئی بد تمیزی یا بد لحاظی نہ کر بیٹھے۔ وہ جاناں کی جانب دیکھنے لگیں۔ مگر جاناں زرینہ کو نہیں نیچے فرش کو گھور رہی تھی۔ کھوئے ہوئے انداز میں۔۔۔ جیسے روئی کی بے جان سی گڑیا ہو۔ کسی بھی قسم کے احساسات سے خالی۔۔۔ جس کی سماںتوں تک نہ بیش کی آواز پہنچ رہی تھی اور نہ دل تک کوئی احساس۔

"کتنی بے چین تھی میں اپنے بھائی کی ایک لوتوں نشانی کو دیکھنے کے لئے۔ BEING THE STAR OF YOUR LIFE"

وہ فرط جذبات سے بول رہی تھیں۔

"ماشاء اللہ کتنی حسین ہے میری بیٹی۔۔۔ لاکھوں میں ایک ہے۔"

ایک لمحے کے لئے اُسے خود سے جدا کر کے بیش نے اُسے سر سے پاؤں تک محبت سے دیکھا۔ ان کی آنکھیں نم تھیں۔ وہ نم آنکھوں سے اس کے رد عمل کی منتظر کئی لمحوں تک اس کے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ مگر جاناں کے جیسے تمام الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ سالوں کا غصہ تھا۔

صدیوں کی مسافت تھی۔ لمحوں میں طے نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی خاموشی ماحول میں کھچاؤ پیدا کر رہی تھی۔ جس کو محسوس کرتے ہوئے۔ زرینہ فوراً بولیں۔

"آج باہر بہت دھوپ ہے نہ آپ اس لئے تھک گئی ہے کافی۔۔۔ دیکھیں گرمی سے چہرہ کتنا لال ہو گیا ہے میری بچی کا۔"

انہوں نے فوراً جاناں کا چہرہ چھووا۔ ان کے چھوتے ہی جاناں کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ اس نے براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں ایک عجیب ساخوف تھا۔ شاید ایک خاموش سی التجا تھی۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی مگر وہ اپنے پیروں پر کھڑی رہی۔ عجیب کشمکش سا عالم تھا۔ زرینہ نے اُسے شانوں سے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ ان کے ہاتھوں کی لرزش وہ اپنے کندھوں پر باقاعدہ محسوس کر پا رہی تھی۔

چند لمحے چپ چاپ سرک گئے۔ اس نے دھیرے سے رُخ بینش کی جانب پھیرا۔ آنکھیں بے تاثر تھیں۔ بلکل خاموش اور ویران مگر اُس کے لب آہستگی سے ملے تھے۔
BEING THE STRING OF YOUR KITE
"میں بلکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں۔۔۔؟"

جانان سبز واری نے اپنی ماں کا بھرم رکھ لیا تھا۔ زرینہ کے کندھے ڈھلکے۔۔۔ انہوں نے پر سکون سی سانس حلق سے خارج کی اور تفاخر سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کرب تھا۔ جسے بس اُن کی آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔ بعض اوقات زندگی بھی انسان سے کتنے مشکل فیصلے کرواتی ہے۔ روح قبض کر کے کہتی ہے کہ سانس لو۔۔۔



آج سورج کی نرم گرم سی روشنی نے عرفات کا آسودگی سے استقبال کیا تھا۔ وہ نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔ خلاف توقع اس وقت ہوا کافی خوشگوار چل رہی تھی۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ ہنوز آنکھیں موندے کچھ دیر لیٹا رہا۔ دوپہر کا شاید ایک نج رہا تھا۔۔۔ اور ارد گرد کے شور سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہاں کاروبار زندگی کا آغاز ہو چکا ہے۔

"او بھائی صاحب ادھر سے اٹھنے کا کتنا لے گا تم۔۔۔"

کوئی چیز کرو، خالص نیپالی "البouں لجھے میں بولا تھا۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں مگر اگلے ہی لمح سورج کی تیز چھپتی شعاعوں سے اُس کی آنکھیں بری طرح چندھیا گئیں۔

وہ پوروں سے آنکھیں مسلتا اٹھ کر بیٹھا۔ خود کو مکمل ہوش میں لا یا پھر آہنگی سے آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔ سامنے درمیانے قد کی لڑکی سینے پہ ہاتھ باندھ کر کھڑی اُسے گھور رہی تھی۔ جو چہرے سے نیپالی لگ رہی تھی۔ اُس کے بال سیاہ اور گھنے تھے۔ جو کمر کو چھور رہے تھے۔ جس کی اُس نے چوٹی باندھ رکھی تھی۔ اُس کی براو ان رنگ کی آنکھیں چھوٹی مگر پُرکشش اور چمکدار تھیں۔ جو اس کے چہرے کو روشن اور خوبصورت بنارہی تھیں۔ اُس کا چہرہ گلاب جیسا تھا۔ بلاشبہ وہ بہت حسین تھی۔ بہت زیادہ حسین۔۔۔!!

عرفات غیر دانستہ طور پر اُسے دیکھتا گیا۔۔۔

"راستہ چھوڑ کے بیٹھ ابھی دھنڈے کا ٹائم ہے۔۔۔"

عرفات نے اگلے ہی لمحے چھر چھری لی۔ عجیب چھبھتی ہوئی سی آواز تھی۔ اُس کا باقی کا سویا ہوا دماغ بھی فوراً جاگ گیا۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ بھی کہتی، وہ فوراً اٹھا اور سڑک کے دوسرا طرف دیکھا۔ وہاں پلاسٹک کی ٹیبل اور چار کر سیاں رکھی تھیں۔

وہ سیدھا روڈ کر اس کرتا وہاں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نیپالی لڑکی نے اُسے غور سے دیکھا پھر بنا کچھ کہے چُپ چاپ شانے اُچکاتی ہوئی دکان میں داخل ہو گئی۔ یہ ایک چائے کا ہوٹل تھا۔ جسے وہ اپنے چھوٹے بھائی اور باپ کے ساتھ مل کر چلاتی تھی۔

یہ کور گنگی انڈسٹریل ایریا تھا۔ جہاں کافی ساری فیکٹریاں تھیں۔ اور عموماً اس وقت آس پاس کی فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور دوپہر کا کھانا کھانے یا چائے وغیرہ پینے اس جگہ کا رخ کرتے تھے۔

"لینا یہ لڑکا کون ہے۔؟"

پیسوں کے کاؤنٹر پر بیٹھے شاہ زمان گور کھلی نے شیشے کے پار آنکھ سکوڑ کر دیکھا۔

"پتہ نہیں بابا شکل سے تو اچھا گھر کا لگ رہا ہے"

وہ کاؤنٹر کے پیچے کھڑی تھی۔ یہاں سے وہ بلکل سامنے ٹیبل پر سر جھکا کر بیٹھا صاف نظر آ رہا تھا۔

"ہاں تو نے اُس کو کچھ کھانے کا پوچھا کیا؟"

لینا نے انہیں تندی سے دیکھا۔

"بaba وہ کیا میرے پھوپھی کا لڑکا ہے۔ جو میں اس کو کھانے کا پوچھو؟"

اس کی بات پر ٹیبل پر کپڑا مارتا ہوا و سیم دانت نکال کر کھی کھی کرنے لگا۔

"اے تُہس مت ورنہ دانت توڑ دے گا میں تیرا"

وہ غصے سے پاؤں پٹختی اندر کمرے میں گھس گئی۔ جو غالباً باورپی خانہ تھا۔ دس منٹ بعد جب وہ باہر نکلی تو اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ جس میں چائے کا کپ دو پراٹھے اور ماش کی دال تھی۔

"اے چھوٹے گورکھلی جایہ اس کو دے کر آ"

کُن اکھیوں سے اپنے باپ کی جانب دیکھا۔ جواب چشمہ ناک پر درست کرتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ لینا کو ان کا ضرورت سے زیادہ اچھا ہونا بلکل بھی پسند نہیں تھا۔ اس کے بقول دنیا اس قابل نہیں تھی کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ وہ ناک منه چڑاتی دوبارہ باورپی خانے میں گھس گئی۔



عرفات اداسی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ تب بارہ سے تیرہ سال کے بچے کو سامنے ناشتے کی ٹرے رکھتے ہوئے دیکھ کر وہ کچھ الجھا۔

"یہ میں نے نہیں منگوایا ہے--"

وہ فوراً بولا۔

"میرا بابا شاہ زمان گور کھلی بڑے دل کا ہے بھائی صاحب آرام سے کھاؤ"

اس نے عرفات کو آنکھ مارتے ہوئے سڑک کی دوسری طرف موجود چائے کے ہوٹل کی جانب اشارہ کیا۔ عرفات نے اس کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا۔ شاہ زمان گور کھلی اُسے شیشے کے پیچھے سے مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ وسیم ٹرے رکھ کر واپس ہوٹل میں آگیا۔ جبکہ لینا اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"عجیب انسان ہے۔۔۔"

لاپرواہی سے شانے اچکاتی وہ ایک پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

عرفات نے سامنے رکھے معمولی سے ناشتے کو دیکھا۔ گھی میں چپڑے ہوئے پر اٹھے، ماش کی دال اور ایک عام سے کلپ میں چائے موجود تھی۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اُسے پچھلی رات یاد آئی۔

وہ کبھی بھی گاڑی کے بغیر گھر سے باہر نہیں گیا تھا اور کل رات وہ اپنے حواسوں سے بیگانہ پیدل کتنا لمبا سفر طے کر آیا تھا۔ جہاں اُسے اپنے نرم بستر کے سوا کہیں نہیں آتی تھی۔ کل وہی شخص پتھر کے چبوترے پر گھری نیند سویا تھا۔ کیا فرق آگیا تھا۔ کل سے لے کر اب تک میں؟

کیا وہ عرفات بیگ سے صرف عرفات رہہ گیا تھا یا پھر وہ واقعی یتیم ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ ہتھیلیوں میں گرا دیا۔ اُسے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔ جانان کی یاد ایک بار پھر شدت سے آنے لگی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیلنے لگی تھیں۔ وہ کل سے اب تک اتنی بار رویا تھا کہ بدن ہلکا ہو گیا تھا۔

اس نے ہاتھ نیچے کیا تو ٹرے میں رکھا کھانا غنیمت لگنے لگا۔ کل تک سیریل، ابلے ہوئے انڈے اور فریش جوس پینے والا عرفات اب گھی میں نہائے پراٹھے کو چائے میں ڈبو ڈبو کر رغبت سے کھا رہا تھا۔

یہ منظر دیکھتے ہوئے ٹیبل پر کپڑا مارتے و سیم نے پلٹ کر اپنے باپ کی جانب دیکھا۔ جن کی نظریں پہلے ہی عرفات پر جمی تھیں۔ انہیں عرفات کو دیکھ کر شدید ترس آیا۔

"پتا نہیں کیا ہوا ہے اس بچارا کے ساتھ۔۔۔"

اداسی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے زیر لب کہا۔

"بابا مجھے تو لڑکی لوگوں کا چکر لگتا ہے ورنہ ایسے تھوڑی کوئی دیوانوں کی طرح سڑک پر سوتا ہے۔۔۔"

کاؤنٹر کے پچھے کھڑی لینا نے چٹک کر کہا۔

"کیا پتا کیا چکر ہے، مگر لڑکا اچھا گھر کا لگتا ہے میرے کو۔۔۔"

اب کی بار و سیم اور لینا دونوں نے اثبات میں ہلا�ا تھا۔



دوپھر اب ٹھنڈی ہو کر شام میں بدل رہی تھی۔ تپتے سورج کے ارد گرد سرد بادلوں نے دھیرے دھیرے طواف کرنا شروع کر دیا تھا۔ قصر بیگ کے خاموش فرش پر ریم کی ہیلز نے ٹھک ٹھک کی آواز پیدا کی۔۔۔!!

"کیا ضرورت تھی گھر آنے کی۔۔۔ جہاں تھیں وہی کی ہو کر رہ جاتیں۔۔۔"

اس نے قدم سیڑھیوں پر رکھا ہی تھا کہ سارہ بیگ کی غراہٹ بھری آواز نے اس کی پشت پر ابھری۔ ریم نے ضبط نے آنکھیں بند کر کے گھری سانس لی۔ چہرے کے تاثرات نارمل رکھتے ہوئے آرام سے پلٹی۔

"سوری میں وہ کل میں۔۔۔"

وہ تامل سے کل کا قصہ بتانے لگی مگر سارہ نے اُسے درمیان میں ٹوک دیا۔
"مجھے فرق نہیں پڑتا کہاں تھیں۔ کس کے ساتھ تھیں اور کیا کر رہی تھیں۔۔۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ عرفات کہاں ہے؟"

وہ سیدھا مددے پر آئیں۔ ریم نے افسوس سے ان کے چہرے کو دیکھا۔ انہوں نے خود غرضی کی تمام حدیں توڑ دی تھیں۔ اُسے ان کی اولاد ہونے پر پچھتاوا ہوا۔ انہیں ریم کی رتی بھر بھی فکر نہیں تھی۔ اگر کوئی اہم تھا تو وہ عرفات تھا۔ ان کا بیٹا۔۔۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے تم سے ریم۔۔۔ بتاؤ عرفات کہاں ہے۔"

انہوں نے دانت پیسیتے ہوئے استفسار کیا۔ ریم نے شکست خور دگی سے کندھے جھکا دیئے۔

"عرفات آپ کا بیٹا ہے۔ میرا نہیں لحاظہ آپ خود اس کی خبر رکھا کریں۔"

"اگر تمہاری وجہ سے میرے بیٹے کو کچھ بھی ہوانہ ریم تو یاد رکھنا۔ میں تمہیں زندہ درگور کر دوں گی۔"

دھیمی آواز میں غراہٹ تھی۔ انہوں نے غضب ڈھاتی نگاہوں سے ریم کو گھورا تھا۔

"آپ یہ کام بہت پہلے ہی کر چکی ہیں ممی۔"

ریم کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ آنکھوں میں مایوسی تھی۔ دو ٹوک جواب دے کر وہ رکی نہیں بلکہ جلدی جلدی سیڑھیاں پھلا لگتی اور اپنے کمرے میں آئی اور خود کو قید کر لیا۔ نیچے ہال میں کھڑیں سارہ دم بخود رہے گئیں۔

انویسٹیگیشن روم کی خالی اور تاریک دیواریں ماحول میں ہیجان پیدا کر رہی تھیں۔ روشنی کے نام پر محض ایک بلب تھا۔ جس کی تیز چھتی ہوتی روشنی سے کرسی پر بیٹھے اس شخص کی آنکھوں میں تکلیف ہونے لگی تھی۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر چالیس کے نزدیک تھی۔ مگر اچھی جسامت اور شکل و صورت کی وجہ سے وہ کافی جوان نظر آتا تھا۔ اچانک دروازہ چرچاہٹ کی آواز سے گھلا اور کمرے کی خاموشی کو ذوالکفل کے قدموں کی چاپ نے توڑا۔!!

اس شخص نے آواز کے تعاقب میں سر اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا۔ وہ پولیس یونیفارم میں ملبوس اس شخص کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ وہ ذوالکفل سکندر خان تھا۔ جس سے اس کی

آخری ملاقات علی جبران کے گھر نیو ائر کی تقریب میں ہوئی تھی۔ اس نے ماتھے اور کپٹی پر بہتا پسینہ خٹک کیا۔ گرمی سے اس کا وجود پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔

ذوالکفل اپنی پشت پر دروازہ بند کرتا۔ اس کے مقابل موجود دوسرا کرسی پر گریبان کے دو بنن کھوتا آہستگی سے برآ جمان ہو گیا۔ اُس شخص کے ماتھے پر موجود شکنیں گھری ہوئیں۔ وہ کچھ غیر آرام دہ ہو کر پیچھے ہوا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں مجھے یہاں آدھے گھنٹے سے کیوں بٹھا رکھا ہے۔؟"

اس شخص نے برہمی سے استفسار کیا۔

"اس کمرے میں سوال کرنے کا حق صرف مجھے ہے۔ یہاں مقابلِ محض جواب دیتا ہے۔"

اس نے ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے کرسی پر پشت ٹکائی۔

"آپ کو معلوم ہے نا میں علی جبران کا سیکرٹری ہوں۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

تو نویر نے شانے اچکائے۔ گویا اپنی اہمیت سے مقابل کو باور کروایا۔

"بہت اچھے سے معلوم ہے تو نویر۔۔۔ یقین کرو میری یاداشت بہت تیز ہے۔ کچھ بھی بھولتا نہیں ہوں میں۔۔۔"

ذوالکفل کے جواب نے کمرے میں ایک عجیب سا تناو پیدا کیا تھا۔

"آپ کو جو بھی پوچھنا ہے برائے مہربانی جلدی پوچھئے۔۔۔"

اُس نے ہتھیار ڈالنے کے انداز میں کہا۔

"خاطر جمع رکھیں تو نیر صاحب جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے ابھی مجھے ذرا آپ کی خدمت کا
شرف تو حاصل کرنے دیں---"

ذوالکفل کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ نیر کے چہرے پہ بدمزگی پھیلی۔

"علی جبران اور داور کے آپس میں کیسے تعلقات تھے؟"

سوالوں کا آغاز ہوا۔

اس سوال پر نیر نے ٹھٹھک کر دیکھا۔ جیسے اُسے سوال سمجھ ہی نہیں آیا ہو۔

"یہ کس قسم کا سوال ہے؟"

"یہ تم بعد میں بیٹھ کر سوچنا پہلے میرے سوال کا جواب دو۔--"

سختی سے ٹوکا جواباً نیر نے ضبط سے سانس کھینچی۔

"داور بابا ان کے ایک لوٹے بیٹے تھے۔۔۔ بلاشبہ ان کے تعلقات آپس میں بہت اچھے
تھے۔"

"مگر داود کے انتقال پر ان کا رد عمل دیکھ کر ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ ان کے درمیان سب
کچھ ٹھیک تھا۔--"

ذوالکفل ٹانگ ہلاتا اُسے آنکھیں سکوڑ کر دیکھنے لگا۔ "علی جبران سر ایک سیاستدان ہیں۔ سیاستدانوں کے چہرے پر ان کے دل کی بات کبھی ظاہر نہیں ہوتی۔۔۔ جبکہ میری آنکھیں گواہ ہیں۔ وہ اپنے ایک لوٹے بیٹے کی موت پر کس طرح سے تڑپے تھے۔"

تنویر کا لہجہ انتہا کی سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔

"تم درست کہہ رہے ہو۔۔۔"

وہ دونوں ہاتھ بآہم ملاتا اب کی بار ذرا آگے کو جھکا۔۔۔!!

"تمہاری نظر میں کوئی ایسا شخص ہے۔ جس کی داور سے کوئی دشمنی یا ان بن ہو؟"

تنویر لمح بھر کے لئے ٹھہرا۔۔۔ ذہن پر زور دیتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔
لمح بھر کی خاموشی۔۔۔ ذوالکفل کی طیولتی نظریں تنویر کے وجود پر ہنوز برقرار تھیں۔
اچانک تنویر کے چہرے کے تاثرات بدلتے تھے۔ ذوالکفل فوراً سیدھا ہوا۔۔۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کون ہے وہ شخص؟؟؟"

"عرفات بیگ۔۔۔"

انداز دوٹوک تھا۔ ذوالکفل کے کندھے ڈھلنے۔۔۔

"مجھے واقعی نہیں لگتا کہ عرفات ایسا کوئی قدم اٹھا سکتا ہے۔"

ذوالکفل نے دوبارہ پشت ٹکاتے ہوئے تامل سے سر نفی میں ہلا�ا۔۔۔

"وجہ ڈھونڈنا آپ کا کام ہے سر میرا نہیں۔۔۔ میں نے تو بس آپ کے سوال کا جواب دیا ہے۔"

تنویر نے شانے اچکائے۔

"ٹھیک ہے اب کی بار میں سوال میں تھوڑی تبدیلی کر دیتا ہوں۔۔۔" وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا۔۔۔

"تنویر و قاص۔۔۔"

رک کر عجیب سے انداز میں مقابل کو دیکھا۔۔۔

"کیا۔۔۔ تمہاری نظر۔۔۔ میں۔۔۔ کوئی ایسا شخص ہے۔۔۔ جس کی تمہارے ماں علی جبران سے ذاتی دشمنی ہو۔۔۔؟"

اس کے لمحے میں ٹھہراؤ تھا۔

"جب"

وہ بلا توقف کے بولا۔۔۔ ذوالکفل نے مستفسرانہ انداز میں بھنوں اچکائیں۔

"سارہ بیگ۔۔۔"

ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھا ذوالکفل ایک لحظے کے لئے سر سے پاؤں تک ساکن ہوا تھا۔

"سارہ بیگ۔۔۔؟؟"

اس کے لب بنا آواز کے ہلے تھے۔ آنکھوں کی پتیاں تنور کے چہرے پر حیرت سے جم گئی تھیں۔ وہ پولیس آفیسر تھا۔ لوگوں کے تاثرات بھانپنے کا تجربہ رکھتا تھا۔

"عامر---"

اس کی ایک ہی پکار پر انسپکٹر عامر فوراً انویسٹیگیشن روم میں داخل ہوا۔

"جب سر---؟"

"تنور صاحب کے لئے ٹھنڈی لسی اور میرے لئے گرم چائے بھیجو---"
وہ تنور کو معنی خیزی سے مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ابھی بھجواتا ہوں سر---"

عامر موڈبانہ انداز میں سر کو خم دیتا باری دوноں پر نظر ڈالتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"آج گفتگو لمبی چلے گی" BEING THE STRING OF YOUR KITE

ہنوز مسکرا کر تنور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

آخر کار اتنے مہینوں بعد ڈوالکفل کو ایک مضبوط کڑی ملی تھی۔ جو داور کے قتل میں ملوث شخص کو بے نقاب کرنے میں اس کی مدد کر سکتی تھی۔

☆...☆...☆

آج کا دن باقی دنوں سے کچھ مختلف تھا۔ آج کی صبح میں ایک عجیب سی تازگی گھلی تھی۔ جو ریم بیگ کو اندر تک راحت بخش رہی تھی۔ کھڑکی سے آتی تیز ہوانے پر دے کو دھکیل کر ریم کے چہرے اور بالوں سے چھپیر چھاڑ کی تھی۔ ریم نے ہواوں کا تعاقب کرتے ہوئے کھڑکی کے باہر مسکراتے بادلوں کو دیکھا۔

اس نے غور کیا یہ صبح نہیں ہے۔

جو اُسے راحت دے رہی تھی۔ بلکہ یہ ریم کے اندر آنے والی ثبت تبدیلی تھی۔ جو اُس کے اندر ایک عجیب سا احساس جگا رہی تھی۔ اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ وہ ذرا سا چونکی۔۔۔ اس کے چہرے پر بے معنی سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ کھڑکی سے چھن کر آتی سورج کی نرم گرم سی روشنی میں جھملاتی آنکھیں اور رخسار دمک رہے تھے۔
") زندگی کو منور کرنے کے لئے تمہارے چہرے کی جانب نظر کر لینا کافی ہے۔ ("

اس کی سماuttoں میں جنید کی آواز گونجی۔ ریم کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گھری ہوئی تھی۔ آج اس نے سفید رنگ کا ایئر لائن فرائک پہنا تھا۔ اور بالوں کو ہلاکا سا کرل کر کے سینے اور شانوں پر پھیلا رکھا تھا۔ ہوا کی شرارت سے چند لیٹیں اس کے چہرے پر جھول گئیں۔ ریم نے لٹ کو انگلی میں الجھاتے ہوئے بڑے ناز سے کان کے پیچھے اڑسا، غیر دانستہ طور پر اس کا دوسرا ہاتھ فاؤنڈیشن کی بوتل کی جانب بڑھا پھر کسی احساس کے تحت وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ نظر اٹھا کر سامنے شیشے میں ایک بار پھر سے خود کو دیکھا۔ بہت غور سے دیکھا۔۔۔

لمح بھر کے لئے اس کی مسکراہٹ معدوم ہوئی تھی۔ اپنی حقیقت سے نظریں چرانا آسان تھا۔ آج تک وہ آسان فیصلے ہی تو کرتی آئی تھی۔ دنیا کے معیار پر اُترنے کے لئے اس نے کتنی بار اپنی ذات کی نفی کی تھی۔ اپنی حقیقت کو جھੁਲा کر دنیا کے جھوٹ کا خول خود پر چڑھایا تھا۔ وہ آج تک دنیا کے حساب سے اپنے آپ کو ڈھالتی آئی تھی۔ مگر اب دنیا سے بغاوت کر کے خود کو منوانے کا وقت تھا۔ اس نے پر عظیم انداز میں حلق بھر کر سانس لی۔۔۔!!

اگر دنیا ریم بیگ کو اس کے رنگ میں قبول نہیں کر سکتی تھی تو اب وقت تھا کہ ریم بیگ خود کو دنیا کی بھیڑ سے علیحدہ کر لے۔۔۔!!

"تم جیسی ہو مکمل ہو۔ تمہیں اپنی خامیوں کو چھپانے کے لئے بناؤں سنگھار کی ضرورت نہیں ہے۔"

ایک دم سے اس نے اپنا ہاتھ پیچے کھینچ لیا۔ شیشے میں دیکھتے ہوئے۔ اس نے مزید چند گھری سانسیں بھری۔ ہر سانس پر ایک داستان رقم تھی۔ ریم بیگ کی ان کہی داستان چھے نہ کبھی کسی نے پڑھا تھا اور نہ جاننے کی کوشش کی تھی۔

"تمہیں خود کو قیمتی دکھانے کے لئے برینڈ چیزوں کی ضرورت نہیں ہے ریم تمہارا کافیڈ نس، تمہاری بے باکی، تمہاری ذہانت سب کچھ ایک برینڈ ہے۔ ریم بیگ سر سے پاؤں تک برینڈ ہے۔ مہنگا اور قیمتی برینڈ)"

ریم نے ڈریسینگ روم کے برابر میں رکھے قد آور شیشے میں خود کو سر سے پاؤں تک گھوم کر دیکھا۔ فراک کے گھیر میں گھونٹنے سے زنبش پیدا ہوئی۔ جسے دیکھ کر وہ دل کھول کر ہنسی تھی۔

ریم بیگ کو آج سے پہلے ریم بیگ اتنی حسین اور پر اعتماد نہیں لگی تھی۔ شاید اس نے پہلے کبھی اپنے رنگ میں چھپی خوبصورتی کو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اس کی آنکھوں پر تو دنیا کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ جس کے پار اُسے اپنا رنگ برا اور منحوس لگتا تھا۔ بعض اوقات آپ کی آنکھیں خود کی ذات میں وہ خوبیاں نہیں دیکھ پاتیں۔ جو کوئی انجان آنکھیں دیکھ لیتی ہیں۔



جانان لاہبریری کی میز پر ابھی سی بیٹھی تھی۔ سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا۔ لیکن اس کا دھیان ابھی بھی اپنی پھپھو سے پرسوں ہونے والی اچانک ملاقات پر اٹکا ہوا تھا۔ ویسے بھی یہ ایک نہ ایک دن تو ہونا ہی تھا کیونکہ وہ ان کے بیٹھے سے شادی کرنے والی تھی۔ اور چھ دن بعد ذوالکفل سے اس کی منگنی تھی۔ سب کچھ بہت جلدی جلدی ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت بہت سی باتیں چل رہی تھیں۔ ناجانے کیوں جانان کا دل ایک گہری کھائی میں گرتا چلا جا رہا تھا۔

اس نے لیپ ٹاپ کی تاریک اسکرین کی جانب دیکھا۔ جہاں اُسے خود کا عکس نظر آرہا تھا۔ ایک دم اس نے ٹھپپید پر انگلی مار کر اسکرین روشن کی اور اپنا فیس بک اکاؤنٹ کھولا۔۔۔ اُسے خود بھی نہیں پتا تھا کہ وہ یہ کیوں کر رہی تھی۔

وہ ناچاہتے ہوئے بھی ذوالکفل کی پروفائل سرچ کرنے لگی۔۔۔

"Zulkafal"

اسکرین پر چند پروفائلز نمودار ہوئیں مگر ان میں سے کوئی بھی وہ نہیں تھا۔ حالانکہ اس نے ذوالکفل کو مخفی بچپن میں دیکھا تھا۔

"Zulkafal"

وہ اس کے نام کی اسپلینگ بدل بدل کر کوشاش کر رہی تھی۔ اس نے باری باری اسکرین پر ابھرنے والی تمام پروفائلز چیک کیں۔ جن میں سے کچھ لڑکوں کی ڈسپلے فوٹو بہت اچھی تھی۔ مگر ان میں وہ بات نہیں تھی۔ جو ایک پولیس آفیسر کی شخصیت میں ہوتی ہے۔

"ہففف کیا پتا وہ سو شل میڈیا استعمال نہ کرتا ہو۔۔۔"

اس نے پریشانی سے مانچے کو چھوڑا۔

"پھر سے کوشاش کرتی ہوں۔۔۔"

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک بار پھر اپنی قسمت آزمائی۔

"Zulkifl sikandar Khan"

ایٹر کی دباتے ہی اسکرین پر ایک بار پھر سے بہت سی پروفائلز ابھریں۔۔۔ اس کی پہلی نظر جس پروفائل پر گئی۔ وہ ذوالکفل کی تھی۔ وہ یہ چہرہ جھٹ سے پہچان گئی۔ اُسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس کی شادی اس شخص سے ہو رہی تھی۔ جس سے قسمت اُسے پہلے بھی غیر دانستہ

طور پر ملوا چکی تھی۔ اس نے ڈسپلے فوٹو پر لک کیا۔ وہ تصویر میں پولیس یونیفارم میں ملبوس سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اُسے ناجانے کیوں یقین نہیں آیا۔ وہ اس کی آئی ڈی کھنگا لئے لگی۔ اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُسے ایک اور تصویر نظر آئی۔ جس میں وہ اپنی ماں کے ساتھ کھڑا تھا۔ تصویر کچھ پرانی تھی۔ مگر شکل و صورت میں زیادہ فرق نہیں آیا تھا۔ دل میں اُبھرتا، رہا سہا شک بھی یقین میں بدل گیا۔

اس نے ذوالکفل کی تصویر کو زوم کر کے بغور دیکھا۔ وہ اپنے ذہن میں اُس کی کچھ اور ہی ایج بنایا کر بیٹھی تھی مگر وہ جاناں کی توقع کے خلاف اچھا خاصا ہینڈ سم اور گڈ لینگ تھا۔

"اونہوں شکل اچھی ہونے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ انسان بھی اچھا ہی ہو۔"

وہ ہنکارا بھرتے ہوئے زیر لب بڑھا۔ سامنے بیٹھی لڑکی نے ایک نظر جاناں کو دیکھا تھا۔ پھر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"Aslam o alaikum Mr Khan. I'm Zarmina mami's daughter. Can we talk?"

پیغام بھیج کر جاناں نے لیپ ٹاپ کی اسکرین گرا دی۔

☆...☆...☆

ذوالکفل کا لنج ٹائم تھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ جب پاس ہی رکھے موبائل کی تاریک اسکرین جگما اٹھی۔

"ماہین خان"

روٹی کا ٹکڑا توڑتے ہوئے۔ اس نے زیر لب نام پڑھا۔ اس نے ذہن پر زور دیا۔ وہ اس نام کی کسی بھی لڑکی کو نہیں جانتا تھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے۔ اس کے شانے ڈھلکے۔۔۔!!

"میں ہوں ہی اتنا خوبصورت۔۔۔ کوئی بھی لڑکی مجھے میچ کئے بغیر کیسے رہ سکتی ہے۔"

اس نے مسکرا کر شانے اچکائے۔

"خیر مجھے کیا میری قسمت میں تو مای کی سڑیل، نکجڑی اور عضیل بیٹی لکھی ہے۔"

اس نے بے دلی سے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے سوچا۔ موبائل کی اسکرین پھر سے تاریک ہو گئی تھی۔

"اللہ آپ سے پوچھے گا بینشن پیغم اپنے بھائی کی بیٹی میرے پلے باندھ کر اچھا نہیں کیا آپ نے۔۔۔ کیا فائدہ میری بیوی کا۔۔۔ دل تو کرتا ہے آگ لگا دوں اپنی جوانی کو"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ ماہی سے بولا۔۔۔ عین اُسی وقت عامر دروازہ دھیکل کر اندر داخل ہوا۔

ذوالکفل نے اُبھے ہوئے انداز میں اُسے دیکھا جواباً وہ بھی اُسے ایسی ہی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"بیٹھو۔۔۔"

ٹشو سے ہونٹ کے کنارے صاف کرتے ہوئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"سر میں نے اپنے طور پر انویسٹیگیشن کی ہے۔۔"

رک کر چند میگزینز ذوالکفل کے سامنے رکھیں۔

"تنویر ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔۔ شاید اس کیس میں سارہ بیگ ملوث ہو سکتی ہیں کیونکہ۔۔۔"

وہ لمحے بھر کو رکا۔

"کیونکہ شاہنواز بیگ اور علی جبران کی بیوی نیلوفر علی کے آپس میں تعلقات تھے۔"

ذوالکفل نے جملہ مکمل کیا جواباً عامر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی سر یہ بات وہ شروع سے جانتی تھیں۔ شاہنواز بیگ اور ان کے درمیان کافی جھگڑے بھی ہوئے تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ انہوں نے حالات سے سمجھوتا کر لیا۔ کیونکہ نیلوفر علی، شاہنواز کی چچا زاد تھیں۔ بات خاندان کی تھی۔ اگر سارہ بیگ اس بات کا بتنگڑ بناتیں تو میڈیا میں خاندان کا نام خراب ہوتا۔ جس سے شاہنواز کے سیاسی کریئر پر بھی منفی اثر پڑتا۔ اس لئے بات گھر میں ہی رہ گئی۔"

ذوالکفل نے کرسی کو دائیں باہمیں جھلاتے ہوئے گھری سانس پھیپھڑوں میں اُتاری۔

"سارہ بیگ جتنی شانت اور گریس فل شخصیت ہیں۔ انہیں دیکھ کر بلکل بھی یقین نہیں آتا کہ وہ ایسا کچھ بھی کر سکتی ہیں۔۔"

" مجرم کے چہرے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ مجرم ہے۔ یہ اس کے اعمال ہوتے ہیں۔ جو اُسے بے نقاب کرتے ہیں۔"

ذوالکفل نے عامر کی بات کے جواب میں رسان سے کہا۔

"سارہ بیگ کی عمر کتنی ہو گی عامر---؟"

اس نے کھانے کی ٹرے کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ کھانا ٹھنڈا ہو چکا تھا اور اس کی بھوک بھی ختم ہو چکی تھی۔

"شاید باون سال--"

اس نے انداز آ کھا۔

"مجھے سارہ بیگ کی پورے باون سالہ زندگی کی ہر چھوٹی اور بڑی ڈیلیل چاہئے---"

"آئی رسپیٹ عامر ہر ایک ڈیلیل---"

اس نے قدرے زور دے کر کہا۔

"جی سر"

وہ جانے کے لئے پلٹا۔

"اور چھپ کر کسی کی باتیں نہیں سنتے بیشک پھر وہ باتیں بندہ خود سے ہی کیوں نہ کر رہا ہو---"

پچھے سے سرسری انداز میں کہتا وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

"س--- سوری سر"

عامر نے خجالت سے نظریں چرا کر معزرت کی اور فوراً وہاں سے غائب ہو گیا۔

(انسان ہے یا جن دروازے کے پار بھی دیکھ لیتا ہے۔۔۔)

دل ہی دل میں ہنس کر تبصرہ بھی کیا۔



"صدیق اتنے ہفتے ہو گئے ہیں۔ بلقیس بانو کی کوئی خبر کچھ پتا نہیں چلا۔۔۔"

ریم ضبط سے ٹیبل پر ہتھیلیاں جما کر اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

"میں اپنے طور پر پوری کوشش کر رہا ہوں میم۔۔۔ دراصل ان کے ایکسٹینڈنٹ کو دس، گیارہ سال ہو چکے ہیں۔ اور اس کے بعد سے بلقیس بانو جیسے کہیں غائب ہو گئی ہیں۔ کوئی نہیں جانتا وہ کہاں ہیں۔"

صدیق مایوسی سے بولا

"یہ عورت زندہ بھی ہے یا مر گئی ہے۔"

اپنا نچلا لب کاٹتے ہوئے ریم آفس میں چکر لگانے لگی۔

"ہو سکتا ہے لیکن کچھ کہہ نہیں سکتے۔۔۔"

"بلقیس بانو کے پرانے تعلقات کھنگالو صدیق۔۔۔ اس کے بارے میں کسی کو کچھ تو معلوم ہو گا۔"

"ان کے ایک، دو کو لیگس تو تھے۔ جنہوں نے ایکسٹرینٹ کے وقت بلقیس بانو کا کافی ساتھ دیا تھا۔۔۔"

ریم کے قدم رکے--

"تو پھر ان سے پوچھو کچھ تو خبر ملے گی ان کی۔۔۔"

"کوشش کی تھی مگر پتا چلا کہ وہ لوگ اب پاکستان میں نہیں ہوتے۔ مسلسل طور پر یورپ سیٹل ہو گئے ہیں۔۔۔"

"شٹ صدیق۔۔۔"

ریم نے زور سے کرسی پرے دھکیلی۔۔۔

"میم آپ بلقیس بانو سے کیوں مانا چاہتی ہیں۔۔۔ آخر ایسا کیا ہے۔ جو بلقیس بانو جانتی ہیں۔؟"

صدیق نے تجسس سے استفسار کیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس کے سوال پر ریم کا غصے سے تھر تھرا تا وجود پل بھر میں ساکن ہو گیا تھا۔۔۔ نظرؤں کے سامنے سے بہت سے مناظر گزرے تھے۔ آنسو، بے بسی، کرب بھری پکاریں۔۔۔

☆...☆...☆

جانان اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا اس کے بستر پر چند چھوٹے بڑے سچے ہوئے باکس رکھے ہوئے تھے۔ وہ ہینڈ بیگ اسٹڈی ٹیبل پر رکھتے ہوئے بستر کے نزدیک گئی۔ وہ ڈبہ نہیں بھی کھولتی تب بھی اوپر سے نظر آرہا تھا کہ اس بڑے سے باکس میں اس کی ملنگنی کا جوڑا

ہے۔ ساتھ چوڑیاں اور جیولری سیٹ بھی تھا۔ دوسرے ڈبے میں مہندی، ڈرائی فروٹس اور دیگر ساز و سامان موجود تھا۔

جسے دیکھ کر اس کے چہرے پر اداسی سی چھا گئی۔ کندھے تھکن سے ڈھلکے۔ وہ نڈھال سی بستر کی پانچ پر بیٹھی خالی نظرؤں سے سامان کو دیکھتی گئی۔ وہ جس خاندان سے نفرت کرتی تھی۔

آج اُسی خاندان کے دوسرے فرد سے شادی کرنے جا رہی تھی۔ جاناں سبز واری ہمیشہ اپنے فیصلوں میں خود مختار رہی تھی۔ اس نے آج تک اپنی زندگی کا ہر فیصلہ خود کیا تھا۔ پھر ناجانے کیسے وہ اس بار کمزور پڑ گئی تھی۔ زرینہ کے آنسو کیسے اُسے اس رشتے پر راضی ہونے کے لئے مجبور کر گئے تھے۔

وہ ڈبوں کو پرے کھسکا کر جگہ بناتی دائیں کروٹ پر لیٹ گئی۔ بیڈ کراون کے اوپر گھٹری لگی تھی۔ جس پر چار نج کر دس منٹ ہو رہے تھے۔ وہ گھٹری کے کانٹوں کو بو جھل نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اس کا ایک ہاتھ سر کے نیچے تھا۔ اور دوسرے ہاتھ کی انگلی سے وہ بے دھیانی میں ڈبے پر گول گول دائرے بنارہی تھی۔

"کھانا بھی ڈھنگ کا نہیں بنا سکتی گھٹیا عورت بس پورا دن اپنے یار کی یاد میں کھوئی رہتی ہے--"

اجال نے سالن کی پلیٹ الٹاتے ہوئے چنج کر کہا تھا۔

"میں جلدی سے کچھ اور بنا دیتی ہوں۔"

زرمینہ نے کونے میں چار سال کی ڈری سہی سی کھڑی جاناں کی جانب دیکھا۔ جو اپنے باپ کا غصہ دیکھ کر خوف سے خود میں سمت رہی تھی۔

"اپنے عاشق کو بلا کر کھلا دینا۔۔۔ مجھے نہیں کھانا تیرے ہاتھ کا بد مزہ کھانا۔"

"آپ کس طرح کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ بیٹی کھڑی ہے کچھ تو لحاظ کیا کریں۔۔۔ وہ بمشکل بولیں۔

"تیرا لحاظ کروں؟"

اجلال خان نے اُن کے بالوں کو مٹھی میں بھینچا۔

"اپنے یار کے ساتھ رنگ رلایا مناتے وقت توں نے میری عزت کا لحاظ کیا تھا۔۔۔" وہ زہریلے ناگ کی طرح پھنکا رے۔

"چھوڑیں مجھے اجلال آپ کی بیٹی دیکھ رہی ہے۔ میرا نہیں تو اپنی بیٹی کا ہی خیال کر لیں۔" وہ بے بسی سے بولیں۔۔۔

"یہ گنداخون میرا نہیں ہو سکتا سمجھی۔۔۔"

غصے سے جاناں کو پرے دھیکل کر وہ گھر سے باہر نکل گئے۔ ان کے دھکے کے باعث جاناں کا سر ٹیبل کے کنارے سے ٹکرایا تھا۔ اس کے لبوں سے دل خراش چیخ نکلی تھی۔ فرش پر خون

کے قطرے دیکھ کر زریمنہ کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے۔ انہوں نے اپنے دوپٹے سے جانان کا خون روکنے کی کوشش کی تھی۔

وہ گھر میں اکیلی تھیں۔ اجلال بھی جا چکے تھے اور ان کے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ وہ جانان کو سینے سے لگائے۔ لاوچ میں بھاگیں۔ صوف کی سائیڈ ٹیبل پر لینڈ لائن رکھا تھا۔ وہ جلدی جلدی کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔ جانان کے سر میں شدید درد ہوا تھا۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس پر گنودگی چھانے لگی۔۔۔!!

"جی سُہیل آپ جلدی آجائیں پلیز جلدی آجائیں۔۔۔"

وہ اپنی ماں کے بھیگے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"فکر مت کرو میری جان تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔۔۔"

مگر اس کے لئے اپنی آنکھیں کھلی رکھنا دشوار ہوا تھا۔ اُسے نیند آ رہی تھی۔ مگر بار بار زریمنہ کے تھپتھپانے پر وہ تھوڑی سی آنکھ کھول لیتی تھی۔

"سونا مت میری جان۔۔۔ سونا مت"

زریمنہ نے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔۔۔ اس نے ٹھہڑک کر آنکھ کھولی تھی۔ اس کی پہلی نظر گھڑی پر گئی۔ شام کے پانچ بجے گئے تھے۔ سر کے نیچے رکھا ہاتھ اب دکھ رہا تھا اور دوسرا ہاتھ ڈبے پر ہنوز پڑا تھا۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تھکن سے غالب آنے والی نیند اپنے ساتھ سر درد کی سوغات لائی تھی۔ اس نے اپنا سر دباتے ہوئے ایک سونی سی نگاہ مٹکنی کے جوڑے پر ڈالی پھر کچھ یاد آنے پر ایک دم سے اٹھ کر اسٹڈی ٹیبل پر رکھے بیگ سے اپنا

موباکل نکالا۔ جانان کے مزاج مزید بگڑے۔ ذوالکفل نے اب تک اس کا پیغام نہیں پڑھا تھا۔

"انہائی گھمنڈی انسان ہے دوپھر سے مجھ بھیجا ہوا ہے مگر اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ پلت کر جواب دے دے۔"

غصے سے بڑبراتے ہوئے اس نے موبائل دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا اور الماری سے کپڑے نکالے--- !!

"کونسا بڑا افسر ہے جو مجھ پڑھنے کا بھی وقت نہیں اُس کے پاس" وہ برہمی سے سوچتی اتھکے ہوئے قدموں کے ساتھ باتحہ روم میں گھس گئی۔

ذوالکفل آج تھانے سے خلاف توقع جلدی گھر آگیا تھا۔ نہاد ہو کر فریش ہونے کے بعد اب اُسے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ اس نے انٹر کام پر بیلا کو چائے لانے کا کہا اور خود بستر پر کمر سیدھی کر کے لیٹ گیا۔

اس کا ایک ہاتھ پیشانی پر ٹکا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ سینے پر تھا۔ بظاہر اس کی نظریں فور سیلنگ کے ڈیزائن پر جمی تھیں۔ لیکن ذہن کے کسی حصے میں اب بھی اس انسان کا خیال چل رہا تھا۔--

"پانچ فٹ چار انچ کا انسان کھڑا دیکھائی نہیں دیتا تمہیں---؟"

ذوالکفل کو وہ غصیلی نگاہیں یاد آئیں۔ وہ بے ساختہ مسکرا یا۔

"آپ اپنی معزرت اپنے پاس رکھیں اور آئندہ آنکھیں کھول کر بازار جائیے گا۔)

کیا پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔ اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے۔ جب اُسے اپنی پلکوں پر نبی محسوس ہوئی تھی۔ اُسے یقین نہیں ہوا کہ اُس کی آنکھیں ایک ایسے انجان شخص کے لئے بھیگ رہی ہیں۔ جس کے وہم و گمان میں بھی ذوالکفل اکنست نہیں کرتا تھا۔ انگلی کے پور سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھالیا۔ لیٹے لیٹے سو شل میڈیا چیک کرتے ہوئے۔ اس نے یوں ہی انباکس کھولا مجھ ریکوئسٹ میں ماہین خان کی چیٹ سب سے اوپر نظر آرہی تھی۔ نام پڑھتے ہی اُسے یاد آگیا تھا۔ دوپھر میں لج کرتے ہوئے اُسے یہ پیغام موصول ہوا تھا۔ اس نے کچھ سوچے بغیر چیٹ کھول لی۔

"Aslam o alaikum Mr Khan. I'm Zarmina mami's daughter. Can we talk?"

زیر لب پڑھتے ہوئے وہ ٹھٹھک کر اٹھ کے بیٹھ گیا تھا۔

"ماہین خان"

اس کے چہرے پر الجھن سی نمودار ہوئی۔

"لیکن اگئی تو اُسے جان جان کہہ کر پکارتی ہیں۔"

کچھ دیر سر کھجانے کے بعد اس کے کندھے ڈھلکے۔۔۔

"ہم فیک آئی ڈی "

اس نے ہنکارا بھرا۔۔۔

"و علیکم السلام، جی؟"

ذوالکفل نے ناچاہتے ہوئے بھی بے دلی سے پیغام کا جواب دے دیا۔

ایک منٹ۔۔۔

دو منٹ۔۔۔

پانچ۔۔۔

آٹھ۔۔۔

پورے دس منٹ گزرنے کے بعد بھی آگے سے جواب موصول نہیں ہوا تو ذوالکفل نے زچ ہو کر موبائل سائیڈ میں رکھ دیا۔

"میں کیوں یہاں گھن چکروں کی طرح اُس کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں؟"

وہ خود سے محو گفتگو تھا کہ کمرے کا دروازہ ایک دم سے کھلا بینش سکندر چائے کی ٹرے لئے کھڑی تھیں۔

"اُتی آپ نے کیوں زحمت کی بیلا لے آتی چائے۔۔۔"

ذوالکفل نے اٹھ کر ماں کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"بس میرا دل تھا تمہارے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے کا "وہ بستر کے سرہانے بیٹھ گئیں۔
ذوالکفل نے ٹرے بستر پر رکھی اور دونوں پاؤں اوپر چڑھا کر بیٹھ گیا۔

"واہ اس غریب کو اتنا بڑا شرف بخشنے کا شکر یہ۔"

اس کی بات پر بینش مسکراہیں۔

"ویسے سب سمجھ رہا ہوں میں بینش بیگم بکرے کو حلال کرنے سے پہلے جو اس کی خدمت ہوتی ہے۔ بس یہاں بھی وہی خدمات انجام دی جا رہی ہیں۔"

اس نے ٹرے سماں میں کھسکاتے ہوئے۔ بینش کے دونوں پاؤں اٹھا کر اپنی گود میں رکھے۔
بینش نے غور سے بیٹھ کے چہرے کو دیکھا۔

"تمہاری ماں منگنی کے کپڑے بھجوانا چاہ رہی تھیں لیکن میں نے منع کر دیا بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں منگنی پر جتنا بھی خرچا ہو گا۔ سب اپنی جیب سے کروں گی۔"

(میری جیب سے۔۔۔)

پاؤں دباتے ذوالکفل نے محض من ہی من میں سوچا کیونکہ پاؤں اور اس کے منہ کے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔

"بولو ٹھیک سوچانہ میں نے ؟؟"

انہوں نے ذوالکفل سے پوچھا۔

"آپ کبھی کچھ سوچ سکتی ہیں؟"

مسکرا کر جواباً کہا تو بینش مطمئن ہو گئی۔ کچھ لمحے کمرے میں خاموشی رہی۔ ذوالکفل ان کے پاؤں دباتا رہا اور وہ ذوالکفل کے چہرے کو تکتی رہیں۔ انہیں وہ کافی گھری سوچ میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔۔۔؟"

نرمی سے استفسار کیا۔ ان کے جواب میں اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"کچھ نہیں بس ابو کی بہت یاد آرہی ہے۔"

اتنی مصروف زندگی کو جیتے ہوئے بھی وہ انہیں ایک پل، ایک لمحے کے لئے بھی بھولتا نہیں تھا۔

"ابو آپ کو بے پناہ چاہتے تھے نا۔۔۔؟"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

بینش نے سوگوار مسکراہٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔

اس کے لمحے میں یاسیت کا عنصر شامل تھا۔

"ابو دنیا کے خوش قسمت ترین انسان تھے۔"

اُسے سمجھ نہیں آیا وہ اپنی تقدیر پر دکھی ہو یا اپنے باپ کی قسمت پر رشک کرے۔۔۔

"کیوں؟"

"کیونکہ انہوں نے اس عورت کے ساتھ زندگی گزاری جن سے وہ عشق کرتے تھے۔"

وہ شکست خور دگی سے بولا، بینش کا دل کسی نے مٹھی میں لیا۔ انہوں نے ذوالکفل کے لبھ کی نمی کو محسوس کرتے ہوئے، اس کے چہرے کو چھووا۔!!

"ذوالکفل "

ان کی چھٹی حس نے کچھ کہا تھا۔ بینش نے ذوالکفل کے جھکے چہرے کو ٹھولتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ سوال کیا۔ جس کا جواب اگر وہ ہاں میں دے دیتا تو ناجانے کو نسی قیامت آجائی۔

"تمہیں کسی سے محبت ہو گئی ہے؟"

ان کے انداز میں خوف تھا۔ ذوالکفل کی دھڑکنیں ایک دم سے یونچے ہوئیں۔۔۔ بینش کا دل بھی اٹک گیا۔ وہ خفا آنکھیں، غصیلا انداز، کھردرا لہجہ اُسے اس پل میں بہت کچھ یاد آیا۔۔۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

(محبت?)

اگلے ہی لمحے ذوالکفل نے اپنی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے۔ نہایت ہی سرسری سے انداز میں انہیں دیکھا۔ نفی میں گردن ہلائی۔۔۔

"کیا ہو گیا ہے اُمی۔۔۔"

چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہ لاتے ہوئے اس نے پ्रاعتمادی سے بینش سکندر کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ لاپرواہی سے شانے اچکائے تھے۔

"کراچی میں شفت ہوئے ہمیں دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ جو مجھے کسی سے محبت بھی ہو جائے گی۔۔۔ ان نین مٹکوں کا وقت نہیں ہے میرے پاس"

اس نے بینش کا شک دور کرنے کے لئے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔

"سکندر کی اولاد ہونہ بیٹا تمہارا کچھ بھروسہ نہیں کب کونسا سا چاند چڑھا دو"

بینش نے ایک دم سے اطمینان بخش سانس لی مگر ناجانے کیوں دل پھر بھی پوری طرح مطمئن نہیں ہوا۔

"اوہ دیکھیں باتوں باتوں میں چائے شربت ہو گئی۔۔۔"

اس نے بڑی سہولت سے ماں کا دھیان چائے کی جانب موڑ دیا۔

"اوہاں باتوں باتوں میں چائے ٹھنڈی ہو گئی اور میری نماز کا وقت بھی ہو گیا۔۔۔ میں بیلا کو دوسری چائے بھجنے کا کہتی ہوں۔"

وہ ٹرے سمیت بستر سے اٹھتے ہوئے بولیں۔۔۔ پھر جاتے جاتے کچھ یاد آنے پر دوبارہ پلٹیں۔۔۔

"تمہیں پتا ہے ڈول میں پرسوں بھا بھی کی طرف گئی تھی۔ وہاں میری ملاقات جان سے ہوئی۔۔۔"

ذوالکفل کی مسکراہٹ غیر دانستہ طور پر معدوم ہوئی تھی۔

"اتنے سالوں تک اُسے بس تصویر میں دیکھا تھا مگر اس دن جان کو سینے سے لگایا تو یوں لگا۔ جیسے برسوں پرانی کوئی منت، کوئی مراد پوری ہو گئی ہو۔"

بینش دل گرفتگی سے بولیں۔

"خاموش اور کم گو ہے مگر ذول تمہیں پتا ہے۔ وہ جتنی پیاری تصویر میں نظر آتی ہے۔ اصل زندگی میں اس سے بھی کئی زیادہ خوبصورت اور حسین ہے۔"

ان کے لہجے میں غیر معمولی سی حیرانگی تھی۔

"قسم سے ایک پل کے لئے تو میں اُسے دیکھتی رہے گئی۔"

ذواں کفہ کچھ چونکا۔

"کیا واقعی وہ اتنی حسین ہے یا آپ اُسے پھپھو کی نظر سے دیکھ رہی ہیں۔"

اس نے مضنکہ خیز انداز میں کہا۔

"ن۔۔۔ نہیں۔۔۔ بلکہ ایک منٹ"

لغی کرتے ہوئے رک کر جانچتی زگاہوں سے بیٹے کو گھورا۔

("کیا واقعی وہ اتنی حسین ہے) سے کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟ تمہیں نہیں معلوم کہ وہ کیسی دلکشی ہے۔ جو تصویر میں نے بھی تھی تم نے نہیں دیکھی؟"

وہ گڑبرڈا گیا۔

"اے مطلب دیکھی تھی مطلب ہاں پیاری ہے۔۔۔ میں منع نہیں کر رہا لیکن اتنی بھی پیاری نہیں جتنا آپ بیان کر رہی ہیں۔"

اس نے اندازًا بول دیا۔۔۔

"اچھا تو بتاؤ وہ دکھنے میں اجلال بھائی جیسی ہے یا زرینہ بھائی جیسی۔۔۔؟"

انہوں نے ذوالکفل کو کراس چیک کیا۔ وہ ناجانے کس بات کی تسلی کرنا چاہتی تھیں۔ ذوالکفل اس غیر متوقع سوال پر بُری طرح سپٹا کر رہ گیا۔

"ہاں بیٹا شاباش جلدی بتاؤ"

ان کے غرا کر دیکھنے پر وہ روہانی ہوا۔

"آ۔۔۔ام۔۔۔ آپ کی بھتیجی دکھنے میں زرینہ ماں جیسی ہے یا۔۔۔ کیا آپ بھی بچوں جیسے سوال کر رہی ہیں۔"

اس نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ بینش کے کندھے ڈھلنے "ہمم اچھا جی۔۔۔"

"جی بلکل "

ان کے تاثرات دیکھ کر ذوالکفل کو حوصلہ ہوا۔ اندھیرے میں ہی سہی مگر تیر نشانے پر لگا تھا۔

"اب براۓ مہربانی میری چائے بھوادیں۔۔۔ پلیز ززر"

اترا کر شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"ہم بھجواتی ہوں چائے۔۔۔"

وہ عجیب سی نظروں سے گھورتی ہوئیں کمرے سے گئیں تو ذوالکفل نے گھری سانس لی۔

"شکر۔۔۔"

اس نے ایک خفت بھری نگاہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل پر ڈالی۔ جس کی تاریک اسکرین اچانک سے روشن ہوئی تھی۔

☆...☆...☆

عوامی مرکز کی سنسان پارکنگ میں سیاہ رنگ کی پچھلی نشست پر سارہ بیگ کافی دیر سے بیٹھیں کسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھو تو دور افق پر چاند آج بھی اداسی سے چمک رہا تھا۔ عرفات تین دن سے لاپتہ تھا۔ کہاں تھا، کیسا تھا اور کس حال میں تھا۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ شاہنواز بیگ بھی اس کی جانب سے اپنے ہاتھ کھڑے کر چکے تھیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اُنہیں اب عرفات کے آنے جانے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ بقول اُن کے، عرفات اُنہیں آخری حد تک مایوس کر چکا تھا۔ لیکن سارہ اپنے بیٹے سے یوں دستبردار نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ جیسا بھی تھا۔ اچھا یا برا تھا۔ مگر اُن کا بیٹا تھا۔۔۔ وہ چاہے اُنہیں کتنا ہی پریشان کر لے، مایوس کر دے، دل دکھائے مگر وہ عرفات سے اپنی ممتا کا تعلق نہیں توڑ سکتی تھیں۔

ان کے خیالوں کا تسلسل ٹوٹا۔ جب اچانک گاڑیوں کے درمیان سے نمودار ہوتے ایک شخص نے دو انگلی سے سیاہ شیشے پر دھیرے سے دستک دی۔ سارہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اس

شخص نے شال سے خود کو پوری طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ چہرے پر محض اس کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

ڈرائیور نے بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے۔ ایک نگاہ سارہ بیگ کے سپاٹ چہرے پر ڈالی اور اشارہ ملنے پر اگلے ہی پل بن دبا کر گاڑی کا لاک کھول دیا اور خود گاڑی سے اُتر گیا۔

"میرا بیٹا کہاں ہے خالد؟"

بے تاثر نگاہوں سے سامنے وند اسکرین کو گھورتے ہوئے سارہ نے بلا توقف کے استفسار کیا۔

"حکم بی بی---"

خالد صاحب نے چہرے سے شال ہٹاتے ہوئے مودبانہ انداز میں سر کو خم دیا۔۔۔

خاموشی کا وقفہ

سارہ نے گردن ترچھی کر کے خالد کے چہرے کو استفسار بھری نگاہوں سے دیکھا۔ جو خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ پھر ہمت جمع کر کے بولے۔۔۔

"حکم بی بی میرے بندے عرفات بابا کو ڈھونڈ رہے ہیں۔۔۔ بس تھوڑی سی مہلت اور درکار ہے۔ میں بہت جلد آپ کو اچھی خبر سناؤں گا۔"

ہنوز سر جھکائے وہ بہت تامل سے بولے۔ سارہ نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔

"میرا بیٹا تین دن سے لاپتہ ہے خالد، کہاں ہے، کس حال میں ہے کچھ نہیں معلوم۔۔۔"

وہ رکیں۔۔۔ سینے میں دل بے قراری سے دھڑک رہا تھا۔

"اور تم مجھ سے مزید وقت مانگ رہے ہو۔ لگتا ہے اب تمہارے گھر بیٹھنے کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے۔"

وہ آہستہ مگر سخت لہجے میں بولیں۔

"حکم بی بی آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟"

خالد صاحب نے تذبذب سے سوال کیا۔ سارہ نے سرد سی آہ بھری۔ نظرؤں کے سامنے سے بہت کچھ گزرا۔۔۔ بہت کچھ۔۔۔ ان کے ماتھے کی لکیریں پلکی ہوئیں۔

"تم میرے سیاہ اور سفید سے واقف ہو خالد اور تم جانتے ہو کہ میں بے اعتبار لوگوں کو اپنی سر پرستی میں نہیں رکھتی۔"

گردن کڑا کر کہا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE
"مجھے تم پر پورا اعتبار ہے۔۔۔ اتنا اعتبار کہ کل کو اگر ضرورت پڑی تو تم میرے لئے اپنے شاہنواز سر کی جان لینے سے بھی نہیں کتراؤ گے۔"

کھڑکی کے سیاہ شیشے پر سارہ بیگ کا بھیانک عکس اُبھرا تھا۔ ان کی آواز میں غضب کی دہشت تھی۔ خالد صاحب کی گردن میں ایک گلٹی اُبھر کر معدوم ہوئی۔

"آپ کے حکم پر خالد کی اپنی جان بھی قربان حکم بی بی۔"

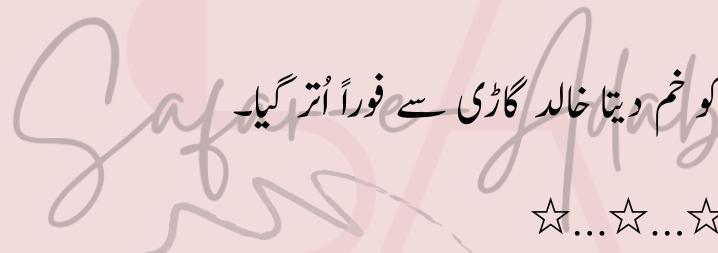
سارہ بیگ کے چہرے پر مسکراہٹ اُبھری تھی۔ سرد اور فاتحانہ مسکراہٹ۔۔۔ !!!

وہ کنکر میں پڑے قیمتی پتھر کو پرکھنے کی قابلیت رکھتی تھیں۔ بند آنکھوں سے بھی اپنے دشمن کو دیکھ لیتی تھیں۔ دنیا کی نظر میں وہ ایک نفس، ڈیسٹ اور خاموش طبیعت شخصیت تھیں مگر یہ تو کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس خاموشی سے پہلے ان کا وجود کن طوفانوں سے گزرنا تھا۔ دل کے ویران سمندر میں کتنی طغیانیاں آچکی تھیں۔

"کل شام سے پہلے پہلے مجھے میرا بیٹا ڈھونڈ کر دو خالد ورنہ تمہاری وفاداری کو آگ لگانے میں مجھے لمہ نہیں لگے گا۔۔۔"

قہر بر ساتے لبھ میں تحکم سے کہا۔

"تحکم بی بی "



ہر شام کی طرح اس شام بھی پانچ بجتے ہی آفس میں موجود ایمپلائز گھر جانے کی تیاری میں اپنا سامان سمیٹ رہے تھے۔ ریم راہداری سے گزر کر لابی تک آئی۔ پبلک لفت میں ہلکی پھلنکی گھما گئی تھی۔ اس نے سرسری نگاہ کلائی پر بند ہی گھٹری پر ڈالی۔۔۔ شام کے ساڑھے پانچ نج رہے تھے۔

چھ بجے اُسے جنید سے مانا تھا۔ وہ جلدی جلدی ایگزیکیٹو لفت کی جانب بڑھ گئی۔ بیگ میں رکھا موبائل بجئے لگا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی۔ اس نے لفت میں داخل ہو کر گراونڈ فلور کا بیٹن دیا اور فوراً بیگ سے فون نکالا۔

اسکرین پر چمکتے ہندسے دیکھ کر اس کے چہرے کی مسرت بخش مسکراہٹ مزید گھری ہوئی۔
بے چینی یکطرفہ نہیں تھی۔ اس کے دل کو قرار آیا۔

اس نے کال ریسیو کر کے موبائل کان پر لگایا۔ دھات کی دیوار میں اپنے مسکراتے عکس کو دیکھ کر اس کے رخسار کچھ اور چمکے تھے۔ کتنے سالوں بعد ریم کے اندر ایک نرم سا احساس جاگا تھا۔ جس احساس کے تحت وہ خود کو چاہنے لگی تھی۔

"ہیلو بینڈت کوئین"

جنید نے والہانہ انداز میں پکارا

"تمہیں کوئی دوسرا نام نہیں ملا مجھے دینے کے لئے---"

ریم قہقہہ لگا کر ہنسی تھی---

"رات بھر سوچا مگر اس سے بہتر کچھ سمجھا ہی نہیں آیا---"

جنید کی مسکراہٹ گھری ہوئی۔

"اچھا وہ کیسے؟"

ریم نے ہنس کر استفسار کرتے ہوئے ڈسپلے پینسل کو دیکھا۔ لفت ابھی پانچویں منزل پر پہنچی تھی۔

"کیونکہ تم نے جنید گیلانی کے دل پر ڈاکا ڈالا ہے۔" وہ شریر انداز میں بولا۔ چوتھی منزل پر لفت رکی۔

"ڈاکا تو پرائی چیز پر ڈالا جاتا ہے مسٹر گیلانی"

وہ اس کے لفظوں میں چھپے اشارے کو بخوبی سمجھا تھا۔

لفٹ کے دروازے کھلے سامنے کوئی کھڑا تھا۔ اس نے ایک پل کے لئے دھیان نہیں دیا۔

مقابل نے قدم اندر رکھا پھر ہڑبڑا کر پچھے ہوا۔

"بس اس حقیقت کو قبول کرنے میں ایک عمر۔۔۔"

ریم نے بھنویں اچکائیں اور ہنوز مسکراتے ہوئے سرسری سی نگاہ اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کو دیکھا اور ریم کا وجود دھاکوں کی شدت سے چکنا چور ہو گیا۔ اُسے اپنے لفظ حلق میں دفن ہوتے نظر آئے۔ دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئیں اور سب کچھ دھواں دھواں ہونے لگا۔

"ریم۔۔۔ ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔؟"

فون کے اسپیکر سے جنید کی بے قرار سی آواز گونجی مگر اس کی سماعتوں تک ارد گرد کی کوئی بھی آواز پہنچ نہیں رہی تھی۔ اس کے کان کے پر دے سُن ہو چکے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک برف کا مجسمہ بن چکی تھی۔ سخت، سرد اور گنگ۔۔۔!!!!

اطراف میں یکدم خاموشی اتنی بڑھ گئی کہ اُسے لگا وہ قبر میں ہے۔ چھ فٹ زمین کے اندر جہاں دنیا کا شور نہیں پہنچتا۔۔۔ سورج کی روشنی نہیں آتی۔۔۔ کوئی عزیز ساتھ نہیں ہوتا۔

اس شخص کے چہرے پر الجھن تھی۔ مقابل نے اس کی ساکن پتلیوں کو دیکھا۔۔۔ برف کا مجسمہ چٹ گیا۔ وہ پوری شدت سے لرز کر پچھے ہوئی تھی۔

وہی چہرہ ---

وہی آنکھیں ---

وہی خدو خال --- !

اور وقت بھی وہی تھم گیا۔ آنکھوں کی پتلياں ساکن ہو گئیں۔ ہونٹ بے یقینی سے وارہ گئے۔
رمیم بیگ کی پوری دنیا محمد ہو گئی۔

"س---س---سلمان"

رمیم کے لب بے آواز ملے تھے

وہ خواب تھا۔ حقیقت تھا یا سراب۔ سلمان مر تھی اس کے رو برو کھڑا تھا۔ یہ کیسے ممکن
تھا۔ کیسے---؟؟

"اوہ آئی ایم سوری میں نے پہلے بورڈ پڑھا نہیں تھا۔"

مقابل کھڑے شخص نے ایک نگاہ اوپر لگے بورڈ پر ڈالی جس پر ایگزیکٹو لکھا تھا۔ اور معزرت
کرتے ہوئے پیلک لفت کی طرف بڑھ گیا۔ اور ایک دم سے ارد گرد کا شور اتنا بلند ہوا کہ
اُسے اپنے کان کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے۔ رمیم اس کی آواز سن کر گنگ رہ گئی۔

اگلے ہی پل لفت کے دروازے مقفل ہو گئے اور رمیم کا ہاتھ بے جان سا ہو کر پہلو میں گر گیا۔
اس کی پلکیں اب بھی بے یقینی سے لرز رہی تھیں۔ وہ نڈھال قدموں سے سسکتے ہوئے پیچھے
ہوتی گئی۔ یہاں تک دیوار سے ٹک کر گھری گھری سانسیں لینے لگی۔ موبائل کے اسپیکر پر جنید

کی متفلکر سی آواز لفت کی خاموش دیواروں سے ٹکراتی رہی اور پھر کرب و جوار میں سنٹا چھا گیا۔ گھر اور گھب سنٹا۔



جانان ٹاول سے بال خشک کرتی با تھر روم سے نکلی پھر بستر پر بھرے سامان کو سمیٹ کر الماری میں جیسے تیسے ٹھونس کر رکھا اور پلٹ کر اپنے موبائل کے پاس آئی اور ذوالکفل کا بیس منٹ پُرانا پیغام پڑھ کر اس کی کمر فوراً سیدھی ہو گئی۔

انگوٹھے کے ناخن کو بے دھیانی میں چباتے ہوئے۔ وہ سوچنے لگی کہ اگلی بات کیسے کہے۔۔۔ کچھ لمح سوچنے کے بعد اس کی انگلیاں فراوانی سے میچ ٹائپ کرنے لگیں۔

"مسٹر خان مجھے معلوم ہے۔ آپ کو میری بات ناگوار گزرنے گی، مگر پھر بھی میں آپ کو یہ بات کہنا چاہتی ہوں کہ میں یہ متنگی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔ میں نے امی کے دباو میں آکر اس رشتے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

ایک سانس میں دل کی بات لکھ دینے کے بعد اس نے ایک نظر میچ کو دوبارہ دیکھا بھی نہیں تھا۔ مقابل نے اگلے ہی لمح اس کا میچ سین کر لیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اُسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ذوالکفل یہ جانے کے بعد آگے سے کیا رد عمل دے گا۔ وہ میچ ٹائپ کر رہا تھا اور بہاں جانان کی سانس سینے میں پھنس گئی تھی۔

"Congratulations Ms Jaan. We're on same page"

ساتھ ایک سماںلی ایموجی بھی تھا۔ جانان کی پریشانی حیرت میں بدل گئی۔ مطلب وہ بھی یہ شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے ایک بار پھر سے مجھ پڑھا۔ اب کی بار اس کی سوئی "مس جان" پر اٹکی۔ انتہائی ان پروفیشنل انسان تھا۔ اس کا نام لینے کے بجائے۔ دھڑلے سے اُسے جان کہہ رہا تھا۔ خیر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ یقیناً اس بات پر اُسے چند ایک میٹھے بول ضرور رسید کرتی مگر فلحال اُس کے لئے یہ ہی کافی تھا کہ اس کی طرح ذوالکفل بھی یہ شادی نہیں کرنا چاہتا ہے۔

"شکریہ میری مشکل آسان کرنے کے لئے۔۔۔"

اس نے مروتاً شکریہ ادا کیا۔

"معزرت میں آپ کی بات سمجھا نہیں؟"

جانان کا پیغام پڑھ کر اُسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ شکریہ کسی چیز کا ادا کر رہی ہے۔ اس نے آخر اس کی کوئی مشکل آسان کر دی تھی۔

"آپ بھی میری طرح یہ شادی نہیں کرنا چاہتے ہے نا؟"

جانان نے احتیاطاً تصدیق کی۔۔۔ جس کے جواب میں ذوالکفل نے "ہاں" لکھ کر بھیجا تھا۔

"تو ظاہر ہے آپ شادی سے انکار کر دیں گے۔۔۔"

جانان نے کندھے پر بکھرے نمی زدہ بالوں کو سمیٹ کر پچھے کیا۔۔۔

"میں نے ایسا کب کہا؟"

بستر پر بیٹھتے بیٹھتے اُسے زوردار کرنٹ لگا تھا۔ کیا یہ شخص تھوڑا سا پاگل ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا۔۔۔ اس کی گرفت موبائل پر سخت ہوئی۔

"میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا مس جان۔"

وہ ابھی پہلے میسح کے صدمے سے باہر بھی نہیں آئی تھی کہ ذوالکفل کا ایک اور میسح موصول ہوا۔

"آپ میرے ساتھ مzac کر رہے ہیں؟"

ابھی تو آپ نے کہا کہ آپ یہ شادی نہیں کرنا چاہتے؟"

جانان کے دانت سختی سے بھنج گئے۔

"جی میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں کہ میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتا مگر میری اُنی کی خواہش ہے کہ آپ میری بیوی بنیں۔ میں بس ان کی خواہش کا احترام کر رہا ہوں۔۔۔"

زہر میں بجھے ہوئے تیر کتنی سہولت سے اس کے سینے میں اُتارے گئے تھے۔

"آپ کو اپنے دماغ کا علاج کروانا چاہئے مسٹر خان"

جانان کا کڑوا سا پیغام ذوالکفل کی اسکرین پر جگمگایا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

"میں ضرور آپ کے دیئے گئے مشورے پر عمل کروں گا مس جان۔"

اس کے پیغام نے جلتی پر پیڑوں کا کام کیا تھا۔

جانان کا دل بھن کر رہ گیا۔

"ایڈیٹ سائکو لپھڑ انسان سمجھتا کیا ہے خود کو۔۔۔"

دانٹ پیسٹے ہوئے جاناں نے اپنے غصے پر قابو پانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

☆...☆...☆

صحح سے شام اور اب شام سے ایک بار پھر رات آچکی تھی۔ دور افق پر چاند تاریک آسمان پر پوری شان سے چمک رہا تھا۔ رات ذرا گہری ہوئی تو اس سڑک پر موجود دکانیں بند ہونے لگیں۔ یہاں ایک بار پھر سنائی کا راج تھا اور ساعتوں میں گرد و نواح میں موجود جانوروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وقت ایک بار پھر گھوم کر دوبارہ وہی آگیا تھا۔ جب آہستہ آہستہ عرفات کے ارد گرد بھیڑ کم ہونے لگی اور تھائی نے ایک بار پھر اس کے چاروں جانب چکر لگانا شروع کر دیا تھا۔

لوگوں کی بھیڑ کم ہوتے ہی اُسے ارد گرد جاناں کے تھقہے، اس کی باتیں اور اس کا چاندی میں ڈھلا پکیر نظر آنے لگا تھا۔ وہ آج پھر اس چبوترے پر بیٹھا اُسے سوچنے لگا تھا۔

کیوں تو اچھا لگتا ہے، وقت ملا تو سوچیں گے

تجھ میں کیا کیا دیکھا ہے، وقت ملا تو سوچیں گے

وہ بہت چھوٹا تھا۔ لڑک پن کی عمر تھی۔ تب کھیل کھیل میں بھاگتے ہوئے۔ اس کا توازن بگڑا تھا اور وہ لڑھک کر سیر ہیوں سے گرنے والا تھا۔ تب اچانک کسی نے اُسے پچھے گریبان سے کھینچا تھا۔ وہ پچھے زمین پر گرا۔۔۔ جوں کا گلاس چہرے پر الٹ گیا۔ اس نے آنکھیں زور سے جھپکاتے ہوئے۔ حیرت سے سر اٹھا کر اپنے سر پر کھڑی اس غصیلی نظر وں والی لڑکی کو غور سے دیکھا۔ وہ اس کے سر پر کمر پہ دونوں ہاتھ ٹکائے اُسے غصے سے دیکھ رہی تھی۔

اس نے نقچ کی مانگ نکال کر دو چیزیں بنائی ہوئی تھیں۔ وہ لڑکی جاناں تھیں۔ اُسے خاموش سی وہ غصے والی لڑکی بہت اچھی لگی۔ وہ اُسے ٹنکر ٹنکر دیکھتا گیا۔ وہ دوڑ کر کسی کمرے میں گھس گئی۔ اور عرفات اُسے پچھے سے آوازیں دیتا رہ گیا۔ مگر اس نے پلٹ کر کوئی رد عمل نہیں دیا۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

سارا شہر شناسی کا دعویدار تو ہے لیکن
کون ہمارا اپنا ہے، وقت ملا تو سوچیں گے

رمیم اور عرفات اسٹڈی روم میں زمین پر بیٹھے ڈرائیگ کر رہے تھے۔ گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔

"رمیم میری پینسل ٹوٹ گئی ہے۔ پلیز مجھے اپنی والی پینسل دے دو"

اس نے ملتजیانہ انداز میں کہا۔

"اونہوں۔۔۔ نہیں میری اسٹیشنری ہاتھ مت لگانا۔"

ریم نے فوراً اپنی چیزوں کو سمیٹ کر دور کیا۔

"تم اپنی چیزیں سنبھال کر کیوں نہیں رکھتے۔۔۔"

"کل رات تک تو جڑی ہوئی تھی۔ پتا نہیں خود سے کیسے ٹوٹ گئی۔"

عرفات نے افسوس سے پینسل کو دیکھا۔ جو درمیان سے دو حصوں میں ٹوٹ ہوئی تھی۔

"تم نے خود توڑی ہو گی۔۔۔"

ریم چالاکی سے مسکرائی۔ عرفات کے سونے کے بعد اُسی نے اس کے سامان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تھی۔

"سنو تم مجھ سے پینسل لے لینا مجھے امی نے کل بہت ساری اسٹیشنریز دی ہیں۔"

آواز کے تعاقب میں دونوں نے اسٹڈی کے دروازے کی جانب دیکھا۔ وہاں جاناں ہرے رنگ کی گھنٹوں تک آتی فرماں میں ملبوس کھڑی تھی۔

"سچی تم مجھے اپنی پینسل دو گی؟"

عرفات کی آنکھیں خوشی سے چمکیں۔ جواباً جاناں نے سر اثبات میں ہلا�ا۔۔۔

"نہیں عرفات تمہیں اس کی پینسل لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ لو تم میری پینسل رکھ لو اور یہ کلر ز بھی۔۔۔"

اس نے جل کر فوراً کلر باکس اس کی جانب بڑھایا۔

"اونہوں--- نہیں اب مجھے تمہاری چیزوں کی ضرورت نہیں۔ میں جان سے لے لوں گا۔"

عرفات نے منہ چڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری بڑی بہن ہوں۔ تمہیں میرا کہنا ماننا چاہئے۔"

اس نے جانان کو چھپتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جل کر کہا۔ ریم کو ہرگز گوارا نہیں تھا کہ اس کے ارد گرد موجود لوگ اُسے چھوڑ کر جانان کو اہمیت دیں۔

"نہیں تم میری بہن نہیں ہو۔ آئی ہیٹ یو"

یہ سن کر جانان لکھلا کر ہنس پڑی تھی اور ریم کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے جواباً کھینچ کر عرفات کے منہ پر تھپٹ مارا تھا۔

عرفات نے ٹھٹھک کر اپنے چہرے پر ہاتھ رکھا۔ اُسے احساس ہوا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ارد گرد کا سناٹا اور تہائی ایک بار پھر سے لوٹ آئی تھی۔ اس نے وہی چبوترے پر بیٹھے بیٹھے آسمان کی جانب دیکھا۔ کالے بادل ایک بار پھر سے اُس کے ارد گرد جمع ہونے لگے تھے۔

ہم نے اسکو لکھا تھا، کچھ ملنے کی تدبیر کرو

اس نے لکھ کر بھیجا ہے، وقت ملا تو سوچیں گے

"ہیپی بر تھو ڈے جان"

جانان اپنی اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھی میرک کے فائل پیپرز کی تیاری کر رہی تھی۔ تب اچانک کھڑکی کے سامنے عرفات کسی جن کی طرح نمودار ہوا تھا۔ جانا خوف سے ٹھکنی۔

"اُف چوروں کی طرح کھڑکی سے کون وش کرتا ہے۔ عزت سے گھر میں آکر بھی بر تھو ڈے وش کر سکتے تھے تم۔۔۔"

اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر خود کو شانت کرتے ہوئے کہا۔

"رات کے بارہ نج گئے تو مجھے گھر کی بیل بجانا مناسب نہیں لگا۔ خالہ جان کی نیند خراب ہو جاتی۔۔۔"

اس نے ہمیشہ کی طرح دانتوں کی نمائش کی۔۔۔ جانا ان کی شکل بگڑی۔

"اگر تمہیں یہاں کسی محلے والے نے دیکھ لیا تو معلوم ہے۔ میری کتنی بد نامی ہو گی۔ اس لئے بہتر ہے۔ یہاں سے چلتے بنو۔۔۔"

خنگی سے سر جھٹک کر وہ کتاب کا پنه پلٹ گئی۔

"چلا جاؤں گا پہلے اپنا بر تھو ڈے پریزنٹ تو لے لو۔۔۔"

اس نے گفت پیپر میں ریپ ہوا ایک ڈبہ آگے بڑھایا۔۔۔ جانا نے تنقیدی نگاہوں سے گفت کو اور پھر عرفات کو دیکھا۔

"مجھے تم میں اور تمہارے اس تختے میں بلکل بھی دچپسی نہیں ہے۔ جا کر اپنی بہن کو دے دو یہ گفت۔"

جانان نے خفگ سے آگے بڑھ کر کھڑکے کے دونوں پٹ اس کے منہ پر بند کر دیئے۔ عرفات نے تکلیف سے چاند کی روشنی میں چمکتے گفت باکس کو دیکھا اور پھر بند کھڑکی کو، جس کے پار جانان کا عکس نیلی روشنی میں اب بھی نظر آرہا تھا۔

موسم، خوشبو، باد صبا، چاند، شفق اور تاروں میں

کون تمہارے جیسا ہے، وقت ملا تو سوچیں گے

بہار کا موسم تھا۔ عرفات، سارہ اور شاہنواز کے ساتھ گارڈن میں بیٹھا تھا۔ وہ سب شام کا ناشتہ کر رہے تھے۔ تب چائے کا کپ عرفات کی جانب بڑھاتے ہوئے سارہ نے خوشگواری سے کسی کتاب پر جھکے شاہنواز کو مخاطب کیا۔

"میں آپ کو بتانا بھول گئی، سونیا نے عرفات کے لئے اپنی بیٹی کرن کا ذکر کیا تھا۔"

کُن اکھیوں سے پاس بیٹھے عرفات پر نظر ڈالی جس کے چہرے کا رنگ ایک دم ہی پھیکا پڑا تھا۔

"سونیا کون؟"

شاہنواز نے استفسار کیا۔

"ڈنپس منستر چودری صاحب کی بیگم ہیں۔ کل پارٹی میں ملاقات ہوئی تھی۔ بہت اچھی خاتون ہیں۔"

متاثر کرن لجھے تھا۔

"اوہ اچھا چھا۔۔۔ ہاں رشتہ تو اچھا ہے۔ ڈنپس منستر کی بیگ خاندان کی بہو بنے گی تو میری پارٹی کے لئے بھی اچھا ہو گا۔"

انہوں نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

"پلیز ممی مجھے اس کرن میں بلکل بھی انٹرست نہیں ہے۔ لحاظہ اس بات کو یہی ختم کر دیں۔۔۔"

عرفات نے فوراً نفی کی۔

"تمہارا انٹرست کہاں ہے۔ یہ میں بہت اچھے سے جانتی ہوں۔۔۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

سارہ نے ترڑخ کر کہا۔

"جب آپ جانتی ہیں تو پھر بات کیوں نہیں کرتیں۔۔۔"

"وہ معمولی سی لڑکی بیگ خاندان کی بہو بننا بلکل بھی ڈیزرو نہیں کرتی عرفات"

شاہنواز نے سختی سے کتاب بند کرتے ہوئے اضافہ کیا۔

"ڈیڈ پیز جانان کے خلاف ایک لفظ برداشت نہیں کروں گا میں--- وہ جیسی بھی ہے۔ میری پسند ہے۔"

اس کے دانت بھنج گئے۔

"بکواس بند کرو اپنی--- وہ لڑکی تمہیں پاؤں کی دھول برابر بھی اہمیت نہیں دیتی اور بہاں تم اس کی آس میں مرے جا رہے ہو---"

شاہنواز کے سر سے لگی تو تلووں میں بجھی۔

"تمہارے ڈیڈ بلکل درست کہہ رہے ہیں۔ کرن خوبصورت ہے، امیر ہے، اکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈگری مکمل کر رہی ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے ماں باپ کی ایک لوٹی اولاد ہے۔ وہ ہر لحاظ سے جانان سے بہتر ہے۔ اس سے تمہاری شادی ہو گئی تو ہم سب کے لئے فائدے مند ہو گا۔"

انہوں نے عرفات کو تخلی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"خدا کے لئے ہر چیز میں فائدہ تلاش کرنا چھوڑ دیں آپ دونوں--- ریم کی کر رہے ہیں نہ فائدے کے لئے شادی برائے مہربانی یہ نسخہ مجھ پر مت آزمائیں۔"

عرفات کا ضبط جواب دے گیا۔

"اس معمولی سی لڑکی نے دماغ خراب کر دیا ہے تمہارے لاڈلے کا۔۔۔ دیکھ لینا ایک دن تمہارے سامنے تم سے بھی بہتر شخص سے شادی کر لے گی وہ اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤں گے۔ پھر کرن کا رشتہ ٹھکرانے پر شدید پچھتاوا ہو گا تمہیں۔"

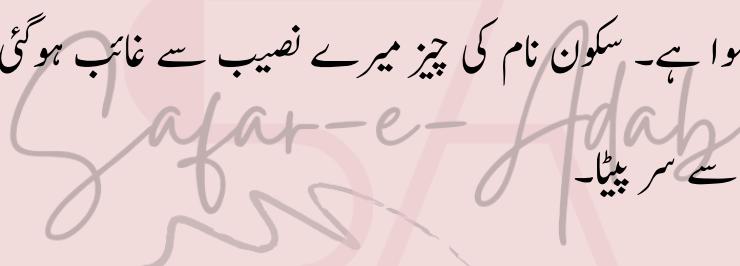
شاہنواز کا چہرہ غصے کی شدت سے لال ہونے لگا۔

"آپ کچھ بھی کہہ لیں ڈیڈ مگر جانان نہیں تو کوئی بھی نہیں۔۔۔ بات ختم۔"

غضے سے چائے کا کپ ٹیبل پر پتختے ہوئے۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔

"عرفات روکو یہ کیا بد تمیزی ہے "سارہ اُسے آوازیں دیتی رہ گئیں مگر وہ نہیں رُکا۔۔۔

"جب سے یہ پیدا ہوا ہے۔ سکون نام کی چیز میرے نصیب سے غائب ہو گئی ہے۔"



یا تو اپنے دل کی مانو، یا پھر دنیا والوں کی

مشورہ اسکا اچھا ہے، وقت ملا تو سوچیں گے

عرفات ڈگی سے راشن کی تھیلیاں نکال کر اندر صحن میں رکھنے لگا۔ جہاں زریمنہ سبزواری کھڑیں دونوں کی گفتگو سن چکی تھیں۔

"سراب کے پیچے بھاگنا عقلمندی نہیں ہوتی عرفات"

اُنہوں نے افسوس سے عرفات کی نم آنکھوں کو دیکھا۔

"خالہ جان کچھ عادتیں لاکھ کوششوں کے باوجود بھی نہیں چھوٹتیں اور جاناں تو میری زندگی ہے۔ جب تک سانسیں ہیں۔ اپنے دل کو اس کی محبت سے خالی کرنا ناممکن ہے۔ ہاں اگر کل کلا کو میں مر جاتا ہوں تو آپ سب کی جان مجھ سے چھوٹ جائے گی۔"

وہ یاسیت سے ہنسا۔۔۔ دروازے کے باہر کھڑی جاناں چپ چاپ یہ گفتگو سن رہی تھی۔

"تم بہت اچھے ہو عرفات"

زرمینہ سے اس کی اداسی دیکھی نہیں گئی۔

"ہاں بس جان کو ہی برا لگتا ہوں۔۔۔ اور اب تو میں خود کو بھی اچھا نہیں لگتا۔"

فضا میں اداسی کا عصر شامل ہو گیا۔ باہر کھڑی جاناں نے پہلو بدلا۔۔۔

"جان کو اپنے ذہن سے نکال کر اپنی زندگی پر دھیان دو۔۔۔ زندگی ایک تولی سفر ہے۔ ایک شخص کی وجہ سے اس سفر کو ضائع مت کرو"

انہوں نے دست شفقت اس کے سر پر رکھا۔

"اگر وہ میری زندگی کا حصہ نہ بنی تو پھر بہتر ہے کہ یہ زندگی ضائع ہو جائے کیونکہ اس کے بغیر میری زندگی کا کوئی مطلب ہی نہیں۔۔۔ جاناں سبز واری کے بغیر عرفات بیگ پورا کا پورا ضائع ہے۔"

مایوسی سے کہتے ہوئے۔ وہ بھاری قدموں سے باہر نکلا۔ سامنے جانان ہاتھ سینے پر باندھے گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔ دونوں کی نظریں براہ راست ملیں پھر دونوں نے ہی نظریں چُرالیں۔

ایک کو مقابل کی محبت قبول نہیں تھی تو دوسرے کو ہمدردی۔!

عرفات کی سوچوں کا تسلسل آج ایک بار پھر سے اس نیلی آنکھوں والے پی کی آواز سے ٹوٹا تھا۔ وہ اس کے پیروں کے نزدیک بیٹھا اپنا چہرہ اس کے جو توں سے رگڑ رہا تھا۔ عرفات نے آنسو صاف کر کے غور سے دیکھا۔ اس کی چھوٹی سی پونچھ پر جوشی سے دائیں بائیں ہل رہی تھی۔ آج سے پہلے تک وہ اپنی بے بسی کا غصہ ان بے زبان جانوروں پر اُتارتا آیا تھا۔

مگر اب محسوس کرنے کے لئے کوئی احساس بچا ہی نہیں تھا۔ اب خوشی، غم، آنسو اور ہنسی تمام احساسات ایک سے لگتے تھے۔ اس نے جھک کر اُسے اپنی گود میں اٹھایا۔ لتنی معصوم سی مخلوق تھی۔ جو آنکھوں میں اُمید سمیٹے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے بنا کچھ کہے پی کو اپنے سینے سے لگایا۔ عرفات کو اپنا دل الگ انداز میں دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔

جانان جانوروں سے بہت مانوس تھی مگر وہ بلکل اس کے برعکس تھا۔ وہ ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ دونوں کے درمیان ایسا کیا تھا۔ جو اتنا الگ تھا۔ آج اس ننھی سی جان کو سینے سے لگائے۔ اس کھلے آسمان نلے بیٹھے اُسے سمجھ آگیا تھا کہ ان کے درمیان حائل وہ فاصلہ کس چیز کا تھا۔



قصر بیگ میں چھائی ویرانی نے رات کی تاریکی کو مزید گہرا کر دیا تھا۔ چار سو اس قدر سنٹا تھا کہ سانس لینے کی آواز بھی گونج رہی تھی۔ ایسے میں بالائی منزل پر موجود ریم کا کمرہ طوفان کی زد میں تھا۔ تاریک کرے میں کھڑکی سے آتی چاند کی روشنی نے کچھ اجالا بکھیر رکھا تھا۔ ریم کھڑکی کے ساتھ زمین پر بیٹھی گھنٹوں میں منہ دے کر بے آواز سسک رہی تھی۔ یہ قسمت اس کے ساتھ کو نسا مزاق کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں نے سچ دیکھا تھا یا وہ جاگتی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھ آئی تھی۔ جس کی تعبیر ماضی کا بھیانک روپ پیش کر رہی تھی۔ بھلا مرنے والے بھی لوٹ کر آسکتے تھے کیا۔۔۔؟

ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا۔ پاس رکھے فون کی اسکرین ایک بار پھر روشن ہوئی۔ جنید شام سے اب تک دو سو سے اوپر کالز اور میسجز کر چکا تھا۔ لیکن ریم نے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ تو جیسے اپنے ہوش و حواس گنوا چکی تھی۔ دنیا و مافیہا سے بیگانی وہ فرش کے اس حصے کو گھورنے لگی۔ جو چاند کی روشنی میں چمک رہا تھا۔

"[ریم میں تمہیں پوری یونیورسٹی میں ڈھونڈ رہا ہوں اور تم یہاں کیفے طیریا میں بیٹھی ہو۔"

سلمان اپنی پھولی ہوئی سانسوں کو ہموار کرتے ہوئے بولا جواباً ریم نے اُسے حیرانگی سے دیکھا تھا۔

"تم مجھے کیوں ڈھونڈ رہے تھے خیریت؟"

ریم نے اپنے چہرے پر ابھرنے والی سرخی کو چھپاتے ہوئے بڑے سرسری سے انداز میں استفسار کیا۔

"ایک بہت ضروری بات کرنی تھی تم سے " وہ رازداری سے ٹپیل پر ذرا آگے کو جھکا۔ ریم نے الجھن سے دائیں بائیں نظر ڈالتے ہوئے شانے اچکائے۔

"بلکہ ایک بات بتانی تھی--"

بھوری آنکھیں جذبات سے چمکیں۔

"ریم--"

"کیا؟"

اس نے مسکرا کر سر جھکایا۔ جیسے لفظ ٹھول رہا ہو۔ جسے دیکھ کر ریم کے رخساروں پر خون جمع ہونے لگا۔

"مجھے محبت ہو گئی ہے--"

یہ سنتے ہی ریم کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے اٹک گئی۔ یکدم اُس کے ہاتھ پاؤں پھول کر ٹھنڈے ہو گئے تھے۔

"ک-- کیا؟"

"ہاں-- کب کیسے پتا نہیں بس"

سلمان نے فرط جذبات سے آپس میں ہتھیلیاں مسلیں۔

"س۔ سلمان۔۔"

ریم کے لب واہوئے تھے مگر سلمان کے اگلے الفاظ نے اس کے ہوش اڑا دیئے۔

"میں جاناں سے بے حد محبت کرنے لگا ہوں۔۔"

دل کی بات لبوں پہ آنے سے پہلے ہی ریم بیگ کی محبت کا جنازہ اُٹھ گیا تھا۔

"جاناں؟"

اس کے لب بے یقینی سے ہلے تھے۔ چہرہ بلکل فق ہو چکا تھا۔

"تم مجھے بتاؤ نہ اُسے کیا نالپسند ہے۔ وہ تمہاری کزن ہے۔ تمہیں تو معلوم ہو گا۔۔"

سلمان نے پرجوشی سے سوال کرتے ہوئے۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ ریم نے یکخت اُسے دیکھا۔ آنکھوں کی نبی پر بند باندھتے ہوئے ریم نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ سلمان نے یہ عمل بے اختیاری میں کیا تھا۔ لیکن سلمان کی بے اختیاری ریم کے لئے عذاب ثابت ہوئی تھی۔ مگر وہ اس عذاب میں اکیلی نہیں تھی۔ اس وقت اس کیفے ٹیریا میں ایک شخص اور بھی موجود تھا۔ جس کے دل پر اس منظر نے خنجر چلا دیئے تھے۔ اس شام محض ریم نہیں تھی۔ جس کی آنکھیں نہ ہوئی تھیں۔ بلکہ اس روز کوئی اور بھی تھا۔ جو ان نزدیکیوں پر جی جان سے ترپا تھا۔

جنید۔۔۔۔۔!!

ریم خیالوں سے جاگی تھی۔ موبائل کی تاریک اسکرین پر جنید کا نام ایک بار پھر سے چکا تھا۔ زندگی اسے کس مخدودار پر لا کر کھڑا کرنے والی تھی۔ پچھے ماضی تھا۔ آگے مستقبل اور ریم---؟

ریم بیگ درمیان میں سولی پر لٹکی تھی۔ اس نے ہتھیلی سے آنسو پوچھتے ہوئے کال رسیو کی اور موبائل کان سے لگایا مگر زبان سے لفظ ادا نہ ہو سکے تھے۔



آج ہاؤسنگ سوسائٹی میں موجود اس درمیانے درجے کے بیگلے میں گہما گہمی کا عالم تھا۔ ذوالکفل لاونچ کے تھری سیٹر صوفے پر بیزاری سے سر پکڑ کر بیٹھا تھا۔ ایل ای ڈی کے سامنے رولنگ ریک موجود تھا۔ جس میں بہت سے ڈیزائن سوٹس ٹنگے تھے۔ آگے رکھے سینٹر ٹیبل پر گھڑیاں، جوتوں کے ڈبے اور دیگر ساز و سامان بھی موجود تھا۔

"میرے خیال سے تمہیں یہ والا سوٹ پہننا چاہئے۔"

بینش نے سیاہ رنگ کے فارمل سوٹ کے ہینگر کو ریک سے اُتار کر بغور دیکھا۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ذوالکفل کو منگنی کے کپڑے دکھارہی تھیں۔

"اُم بلكہ نہیں یہ پہن کر تم ڈلبے کم اور بنس میں زیادہ لگو گے۔"

اور آدھے گھنٹے میں یہ چوتھا ڈریس تھا۔ جو وہ خود ہی پسند کر کے ریجکٹ کر چکی تھیں۔

"ہے نا بیلا یہ والا آفس ویئر لگ رہا ہے نا؟"

کچن کے دروازے سے ٹک کر کھڑی بیلا کی جانب اشارہ کیا۔ جو چپس کا پیکٹ چٹ کرنے میں غلطان تھی۔ اس نے گڑبردا کر سوت کو دیکھا۔ ماتھے پر چند بل ابھرے۔

"ج۔۔۔ جی لگ تو رہا ہے مگر بی بی یہ آفس ویر ہوتا کیا ہے؟"

بیلا نے معصومیت سے انگلی پر لگے مصالحے کو چاٹتے ہوئے استفسار کیا۔

"إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ"

ذواکفل جو اتنی دیر سے ضبط کر کے بیٹھا تھا۔ تپ کر بولا۔

"استغفراللہ امی میری منگنی ہورہی ہے شادی نہیں۔۔۔ میری محنت کی کمائی آپ اس طرح تو مت لٹائیں پلیز، میں کچھ بھی پہن لیتا یار۔۔۔"

"کیوں کچھ بھی پہن لیتے۔ لاکھوں میں ایک بیٹا ہے میرا۔۔۔ میں چاہتی ہوں تم کل تقریب میں سب سے منفرد اور ممتاز لگو۔ خاص طور پر جان کو۔۔۔"

انہوں نے پر جوشی سے کہتے ہوئے اُسے چھیرا اور وہ چھڑ بھی گیا۔

"اللہ کرے کل منگنی کے وقت زور دار دھماکہ ہو جائے۔ ہال کی چھتیں اڑ جائیں، دیواریں گر جائیں۔ اس طرح میری جان چھوٹ جائے گی۔ اُس نکچڑی عصیل اور اکڑو عورت سے۔۔۔"

وہ زبردست حد تک زنج ہوا تھا۔

"طوبہ طوبہ پورے دہشتگرد لگ رہے ہو۔ ایسی باتیں کرتے ہوئے۔"

بینش نے بھڑک کر کہا۔ کچن میں کھڑی بیلا بھی کھکھلا کر نہس پڑی۔

"مت ہنسو بیلا قسم سے بہت بُری لگ رہی ہو۔"

"اونہوں ذوالکفل بھائی بُرے لگے میرے دشمن۔"

بیلانے منہ بنائے سر جھٹکا۔

"رائل بلیو تم پر بہت چلتا ہے۔"

اونہوں نے ریک سے ٹکسیڈ و نکال کر سامنے لہرایا۔

"آپ خود ڈیسائیڈ کر لیں میں چلا اپنے کمرے میں مجھے بہت سارے کام ہیں۔"

گود میں رکھا کشن سائیڈ میں اچھاتے ہوئے۔ وہ شانوں سے نادیدہ گرد جھاڑتا کھڑا ہو گیا۔

"ارے ایسے کیسے ابھی تو تمہارے کپڑے بھی فائل نہیں ہوئے۔"

بینش سکندر نے پیچھے سے آواز لگائی مگر مجال ہے جو ذوالکفل نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش بھی کی ہو۔ اس نے اپنی جان بچا کر فوراً کمرے کا رخ کیا۔ دروازے کو جلدی سے مقفل کر کے۔ ذوالکفل نے چین کی لمبی سانس اپنے پھیپھڑوں میں اُتاری۔

منگنی تھی یا کوئی طوفان تھا۔ بینش سکندر نے تو خالی منگنی کی تقریب پر ہی اچھا خاصا ذوالکفل کا بینک اکاؤنٹ خالی کر دیا تھا۔

صوف پر بیٹھ کر چپل سے پاؤں آزاد کئے۔ وہ کچھ دیر خالی سا بیٹھا رہا۔۔۔ بیش کے پر جوش انداز اور خوشحال سی مسکراہٹ کا سوچتے ہوئے مدھم سا مسکرا یا اور پھر ٹراوزر کی جیب سے موبائل نکالا اور کشن سر کے نیچے رکھ کر وہی لیٹ گیا۔ بے مقصد ہی اس نے جانان کی فیس بک آئی ڈی کھولی۔ کسی کو اسٹاک کرنا ویسے تو اخلاقی حرکت نہیں تھی۔ مگر اس کے پاس ایک معقول وجہ تھی۔ وہ یہ کہ ذوالکفل اس کا ہونے والا منگیتر تھا۔

وہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے جان کی پروفائل اسکروول کرنے لگا۔ جبکہ اس کا بایاں ہاتھ پیشانی پر دھرا تھا۔ جان کا سو شل میڈیا بلکل خالی تھا۔ اس نے اپنے فیس بک اکاؤنٹ پر ایک بھی تصویر اپلوڈ نہیں کی تھی۔ دوست بھی دس بارہ سے زیادہ نہیں تھے۔ اُسے حیرت ہوئی۔ اس نے زیادہ تر جانوروں کی تصویریں اپلوڈ کر رکھی تھیں۔

"I think she is an animal lover"

ذوالکفل نے زیر لب کہا۔ ہر پوسٹ کے درمیان مہینوں کا وقفة تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ شاید وہ فیس بک زیادہ استعمال نہیں کرتی تھی۔ وہ مزید نیچے اسکروول کرنے لگا۔ روزمرہ کی زندگی کے واقعات، شعر و شاعری، اردو ادب۔۔۔ نیچے کی سمت مزید اسکروول کرتے کرتے ٹھٹھک کر ایک پوسٹ پر اس کا انگوٹھا ساکن ہوا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں۔

"اُس ایک غم نے مجھ سے خوش ہونے کی صلاحیت چھین لی ہے۔"

ذواکفل نے یہ سطر زیر لب خاموشی سے پڑھی۔ پھر پڑھی۔۔۔ ایک۔۔۔ دو۔۔۔ پانچ دفع۔۔۔ وہ سیاہ لفظوں سے بھری روشن اسکرین کو تکتا گیا۔ یہاں تک کے اسکرین تاریک ہو گئی۔

(اس ایک غم نے مجھ سے خوش ہونے کی صلاحیت چھین لی ہے۔)

اس کے لبوں نے بے آواز حرکت کی۔۔۔ تاریک اسکرین پر ذواکفل کا عکس نظر آرہا تھا۔
خاموش۔۔۔ سپاٹ اور گہری سوچ میں ڈوبا عکس۔۔۔!!!!

(جان کا وجود بھی اس کے تکلیف دہ ماضی کی وجہ سے چھپ گیا ہے۔)

سماعتوں میں بینش سکندر کی آواز گونجی۔۔۔ اس کا دل بھاری بوجھ تلنے دب گیا۔ اس نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کیں۔ یہ تقدیر بھی ایسی بے رحم اور ظالم شے ثابت ہوئی تھی کہ اپنے قہر سے اس نے عالم دنیا کی ایک بھی روح نہیں بخشنی تھی۔ اس تقدیر سے مات کھائے لوگ اپنے جیسی بیزار نسل تیار کر رہے تھے۔ بے انہا آتنائی ہوئی نسل، جو اندر سے مرچکی تھی۔
انہائی کے کچھ میں آئی نسل، اپنی محبتوں کے ہاتھوں مات کھائی ہوئی نسل، اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں بر باد ہوئی نسل۔۔۔!

(آپ بے فکر ہو جائیں اُمی میں کرالوں گا۔)

اس نے اپنے اندر کا تمام تر حوصلہ اور ہمت جمع کرتے ہوئے پر عظمی سے سانس بھرتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ دل سمیت پورا وجود روئی کی مانند ہلاکا ہو گیا۔ تاریک اسکرین پر ذواکفل کا

عکس اب بھی نظر آرہا تھا۔ مگر وہ عکس سابقہ عکس سے بلکل مختلف تھا۔ الگ تھا، نیا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے گدی مسل رہا تھا۔

(آپ بے فکر ہو جائیں اُمی میں کروں گا۔)

چہرے پر نرم ساتاڑ لئے اب وہ کچھ ٹائب کر رہا تھا۔

☆...☆...☆

جانان اس وقت ڈاکٹر فائزہ کے کلینک میں ان کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ کاغذ پر کچھ لکھ رہی تھیں اور وہ گود میں رکھے بیگ پر دونوں ہاتھ جمائے خالی نظروں سے میز پر رکھے پین ہولڈر کو گھور رہی تھی۔ بیگ میں رکھا موبائل واہبریشن موڈ پر تھا۔ وہ زوں زوں کی آواز پر چونکی۔ اس نے بیگ کی زپ کھول کر موبائل پر نظر ڈالی۔ نوٹیفیکیشن پڑھ کر وہ کچھ حیران ہوئی تھی۔ اس نے احتیاطاً سامنے دیکھا۔ ڈاکٹر فائزہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھیں۔ اس نے میج کھولا۔۔۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"آپ بے فکر ہو جائیں میں آپ کا بہت خیال رکھوں گا۔"

جانان نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔۔۔ اس کا دل کراکرم ایکسپریس کی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ دھڑکنیں کانوں میں دھک دھک سنائی دے رہی تھیں۔

"جانان میں نے تمہاری ڈوز کم کر دی ہے۔۔۔ اب تم پہلے والی دوائیاں مت لینا۔۔۔"

ڈاکٹر فائزہ نے کاغذ اس کی جانب بڑھایا۔ اس نے گنگ نگاہوں سے اُن کی جانب دیکھا۔ اس کے ماتھے پر ہلاکا ہلاکا سا پسینہ واضح نظر آرہا تھا۔

"کیا ہوا جاناں؟"

غور سے اس کی شکل دیکھتے ہوئے ڈاکٹر فائزہ کو اچنچا ہوا۔

"تم طبیک ہو۔۔۔۔۔ اچانک بیٹھے بیٹھے کس سوچ میں پڑ گئیں؟"

اس کی شکل پر بارہ نج رہے تھے۔ انہیں یاد تھا۔ ٹرینٹ کے ابتدائی دنوں میں بھی وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے اچانک ٹرانس میں چلی جایا کرتی تھی۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس عمل میں کمی آتی گئی۔ اب بہت عرصہ گزر چکا تھا۔ جاناں پر یہ کیفیت آنا بند ہو گئی تھی۔ اور اچانک آج وہ پھر سے بیٹھے بیٹھے ٹرانس میں چلی گئی تھی۔ انہیں سمجھ نہیں آیا۔ اچانک ایسا کیا ہوا تھا۔ جو اس پر یہ کیفیت طاری ہوئی تھی۔

"ایک سینٹ میں مزید کچھ دوائیاں لکھ دیتی ہوں۔۔۔۔۔" کاغذ کو موڑ کر پپر ویٹ کے نیچے رکھتے ہوئے۔ ڈاکٹر فائزہ نئے کاغذ پر ایک بار پھر سے الفاظ گھسیٹنے لگی تھیں۔

"میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔۔۔۔۔"

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے لرزتی انگلیوں سے پیغام ٹائپ کیا۔ اس کی دھڑکنیں اب آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگیں۔

جانان کا پیغام خوشگوار ہوا کے ساتھ بل کھاتے ہوئے۔ اوپھی عمارتوں اور مصروف شاہراہوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ذوالکفل کے موبائل پر آکر ٹھہر گیا۔ پیغام پڑھ کر اس کے

ہونٹوں پر شرارت بھری مسکان نمودار ہوئی۔ اس کی انگلیاں ایک بار پھر حرکت کرنے لگی تھیں۔

"یہ لو جاناں یہ دوائیاں تمہیں باقاعدگی سے کھانی ہیں۔"

جانان نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بائیں ہاتھ سے کاغذ پکڑ لیا۔ اس کا دوسرا ہاتھ بیگ کے اندر تھا۔ جب ایک بار پھر اس کے ہاتھ میں موجود موبائل زوں کرنے لگا۔ اس نے پہلو بدلا۔

"تحینک یو"

وہ کرسی پیچھے دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔ کاغذ موڑ کر بیگ میں رکھا۔ اپنی پشت پر دروازہ بند کرتے ہوئے۔ اس نے ذوالکفل کا پیغام پڑھا۔ "جی میں جانتا ہوں مگر میں پھر بھی رکھو گا۔"

جانان کو اس کی بات ناگوار گزری۔ اس کی جگہ کوئی بھی دوسری لڑکی ہوتی تو اپنے منگیتیر کی جانب سے اس طرح کے پیغامات موصول ہونے پر بلش کرتی۔ مگر جاناں سبزداری کوئی دوسری لڑکی تھوڑی تھی۔ وہ تو صدا کی خشک، سڑیل اور عصیل تھی۔

"میرا ساتھ آپ کو کبھی سکون نہیں دے سکتا۔"

اس نے برہمی سے شانے اچکائے۔

"آپ اس حوالے سے بے فکر ہو جائیں محترمہ مجھے ویسے بھی پر سکون زندگی بورنگ لگتی ہے۔"

ذوالکفل بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ ناجانے کیوں اُسے پریشان کر کے وہ لطف اندوڑ ہو رہا تھا۔ اور یہ پہلی دفع تھا کہ اُسے جاناں سبز واری ایک دفع بھی یاد نہیں آئی تھی۔ لمحے بھر کے لئے ہی سہی اس کا دل پر سکون ہو گیا تھا۔ اس بات سے انجان کے لمحے بھر کا یہ سکون اُس کے نصیب میں زندگی بھر کے لئے لکھ دیا گیا تھا۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

وہ بری طرح اریٹھ ہو گئی تھی۔

"یہی کہ میں آپ کو جھیلنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوں۔"

ساتھ ایک منہ چڑھاتا ایموجی بھی تھا۔ وہ ناجانے کتنی ہی دیر اپنے موبائل اسکرین پر نظر آتے اس پیغام کو مخدود سی کھڑی دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر پھیلی بدمزگی اور رخساروں پر موجود خون اس کے وجود کو بے چینی کے دلدل میں دھکیل رہے تھے۔ جاناں نے اس وقت کو کوسا جب اس نے ذوالکفل کو مسح کرنے کا سوچا تھا۔

"اونہوں آپ بے فکر رہیں مسٹر خان ایسی نوبت نہیں آئے گی۔"

جاناں سبز واری نے تو محبت کا جواب محبت سے دینا سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس نے جلے کئے لفظوں میں جواب دیا۔ وہ اتنی سختی سے ٹائپنگ کر رہی تھی کہ موبائل کی اسکرین چڑھ جاتی۔

اندر ڈاکٹر فائزہ اپنے لیپ ٹاپ اسکرین پر کاریڈور کی لائیو فوچ میں جاناں کو اپنے کرے کے باہر پھلے پندرہ منٹ سے کھڑا دیکھ رہی تھیں۔ وہ مسلسل موبائل پر جھکی کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ جاناں کے تاثرات سخت تھے۔ وہ اریٹٹ نظر آرہی تھی۔ وہ ان تاثرات سے خوب واقف تھیں۔ وہ جاناں کے ہر انداز کو سمجھتی تھیں۔ ان کے تنے ہوئے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ چہرے پر اطمینان بخش مسکراہٹ نے طوف کیا۔

زندگی نے اُسے قدم قدم پر اتنی تنجیوں سے نوازا تھا کہ خوشیاں دیکھ کر اُسے حیرت ہوتی تھی۔

یوں لگتا تھا کہ ابھی ایک خطرناک سا طوفان اس کی دنیا کو تھس نہیں کر کے چلا جائے گا۔ کوئی محبت سے بات کرتا تھا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے تھے۔ دل سوچ میں پڑ جاتا تھا کہ کہیں مقابل اس کے احساسات کی دھیماں تو نہیں سمجھیں دے گا۔ بہت سادہ اور صاف سی بات تھی۔ اوپر سے مضبوط اور سخت نظر آنے والی جاناں سبز واری، محبت کے احساس سے ڈرتی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

☆...☆...☆

خوبصورت پینٹنگز اور عالیشان ستونوں سے مزین ڈائننگ ہال میں دھیمی آواز میں موسیقی بج رہی تھی۔ اونچے فانوس اور زرد روشنیوں نے خوابناک سا ماحول بنارکھا تھا۔ ارڈگرڈ اپنی میزوں پر موجود لوگ کھانا کھاتے ہوئے قہقہے لگاتے نظر آرہے تھے۔ ایسے میں سارہ بیگ ہوٹل کی لابی میں موجود تھیں۔ جہاں لوگوں کی آمد و رفت کم ہی نظر آرہی تھی۔ وہ لفٹ

کے سامنے بنی اوپھی کھڑکی کے سامنے کھڑی تھیں۔ سارہ، سرخی مائل نارنجی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ آج وہ کسی آفیشل ڈنر پر مدعاو تھیں۔ مگر دنیا کی ہرشے سے ان کی دلچسپی جیسے ختم ہی ہو گئی تھی۔ وہ پرسونج نگاہوں سے کھڑکی سے باہر پھیلی ویرانی کو دیکھتے ہوئے اُلٹے ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود انگوٹھی کے ڈائمنڈ کو انگوٹھے سے مسل رہی تھیں۔ دل میں اٹھتی ٹیسیں اور ماضی کی یادوں نے دھڑکنوں کا بوجھ ڈگنا کر دیا تھا۔ انہوں نے تاریک نگاہوں سے ڈائمنڈ رنگ کو دیکھا۔ زرد روشنی میں بھی ہیرے کی چمک ماند نہیں پڑی تھی۔

"کیا ہوا سارہ آج کل آپ بلکل ہی نظر نہیں آتیں۔ کل پارٹی میں بھی سب آپ کا ذکر کر رہے تھے"

نیلوفر نے صوف پر آہستگی سے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔
"کچھ نہیں بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔"

سارہ کا چہرہ بلکل سپاٹ نظر آرہا تھا۔

"خیر تم بتاؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے اور داور کو ساتھ نہیں لائیں؟"

"بس داور کی پیدائش کے بعد سے طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ اس لئے اُسے ساتھ نہیں لائی۔
بہت پریشان کرتا ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا تو سارہ بھی مسکرائیں۔

"خیر میں یہاں آپ کو داور کی سالگرہ کا انویسٹیگیشن دینے آئی ہوں۔ ماشاء اللہ داور ایک سال کا ہونے والا ہے۔"

انہوں نے اپنے ہینڈ بیگ سے کارڈ نکال کر آگے بڑھایا۔ جسے سارہ نے فوراً پکڑ لیا تھا۔

"میں اور شاہنواز ضرور شرکت کریں گے۔"

ملازمہ چائے کی ٹرے لئے ڈرائیگ روم میں داخل ہوئی۔

نیلوفر کو خلاف توقع سارہ آج بہت چپ چاپ سی نظر آرہی تھیں۔ ملازمہ کے جاتے ہی استفسار کیا۔

"سارہ آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ کچھ ہوا ہے کیا؟"

"شاہنواز مجھے چیٹ کر رہے ہیں۔"

دھیمی مگر گیلی آواز میں کہتے ہوئے احتیاطاً دروازے کی جانب دیکھا۔

"ک۔۔۔ کیا کس کے ساتھ۔۔۔"

نیلوفر نے تذبذب سے پوچھا۔

"پتا نہیں نیلوفر۔۔۔"

انہوں نے ٹشو باکس سے لیف کھینچا۔ احتیاط سے آنکھوں کے کنارے پر ٹشور کھ کر آنسو خشک کیا کہ کامل نہ پھیلے۔

"آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہوگی شاہنواز بھائی تو پارٹی کے کاموں میں اتنے مصروف ہوتے ہیں۔ ان کے پاس وقت کہاں بچتا ہو گا۔"

"میں ان کی بیوی ہوں نیلوفر اور بیویاں شوہروں کے ہر انداز کو اچھے سے پہچانتی ہیں۔" زخمی سا انداز تھا۔

"اس دور کے مرد بے وفا ہیں سارہ کیا کہہ سکتے ہیں۔" نیلوفر نے بے نیازی سے شانے اُچکاتے ہوئے کہا۔ سارہ کی گود میں رکھا موبائل روشن ہوا۔ "یہ مرد کبھی بھی ایک عورت پر اکتفا نہیں کرتے۔ آخر سب مرد ایک جیسے جو ہوتے ہیں۔"

سارہ نے نوٹیفیکیشن پر نظر ڈالی۔ خالد صاحب کا پیغام تھا۔ "میں ان مردوں کی فطرت سے بخوبی واقف ہوں۔ ان کی بیویاں چاہے کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو لیکن آپ نے وہ مثال تو سنی ہو گی نا۔۔۔"

اُنہوں نے سرسری سی نظر سامنے بیٹھیں نیلوفر پر ڈالی اور اثبات میں سر ہلایا۔

"چاند جب حاصل ہو جائے تو چاند کہاں رہتا ہے"

نیلوفر کی باتیں سنتے ہوئے۔ اُنہوں نے اسکرین ان لاک کر کے پیغام کھولا۔۔۔

"آپ کا شک بلکل درست تھا حکم بی بی شاہنواز سر اپنی سابقہ مگیٹر نیلوفر کے ساتھ کافی عرصے سے رابطے میں ہیں"

اچانک آسمان پر بہت زور سے بجلی کڑکی، بجلی اتنی تیز اور روشن تھی کہ عالیشان ستونوں پر کھڑا قصر بیگ لرز اٹھا تھا۔ سارہ نے صدمے سے جامد نگاہیں بڑی مشکل سے اٹھا کر نیلوفر کے بے پرواہ سے چہرے کو دیکھا۔ وہ جوں کی توں رہ گئیں۔

"عورت چاہے کچھ بھی کر لے لیکن یہ مرد---"

وہ سارہ کے تاثرات سے بے نیاز بولیں جا رہی تھیں۔ سارہ نے اس کے ہاتھ کی تیسری انگلی میں چمکتی ہیرے کی انگوٹھی کو دیکھا۔ یہ انگوٹھی وہ پہلے بھی کئی دفع دیکھ چکی تھیں۔ مگر غور آج کیا تھا۔ ایسی ہی انگوٹھی شاہنواز نے انہیں ان کی شادی کی پہلی سالگرہ پر گفت کی تھی۔ ان کا دل عجیب ہوا۔ جیسے پھٹ کر باہر آجائے گا۔

"نیلوفر میری طبیعت کچھ بھی نہیں لگ رہی۔"

وہ سنگل صوف پر بیٹھی تھیں۔ جس کی پشت اوپھی تھی۔ اس صوف کا رنگ سرخ تھا۔ وہ آہستگی سے صوف کے بازوؤں کا سہارا لیتی کھڑی ہو گئیں۔

"خیریت کچھ ہوا ہے کیا؟"

انہوں نے اچھبے سے ان کی جانب دیکھا۔ غیر دانستہ سی ایک نظر ان کے موبائل پر بھی ڈالی۔ وہ بھی اپنی شال سنہالتی کھڑی ہو گئی تھیں۔

"نہیں کچھ نہیں ہوا، بس سر میں ہلاکا سا درد ہے۔"

وہ مدھم سا مسکراہیں۔ بہت شانت اور ٹھنڈی مسکراہٹ تھی۔

"ٹھیک ہے اپنا خیال رکھیں انشاء اللہ پھر ملاقات ہوتی ہے۔"

نیلوفر نے خوشنگواری سے آگے بڑھ کر سارہ کو گلے لگایا۔ وہ اپنی جگہ ساکن و شانت کھڑی رہیں۔ ان کے چہرے کے تاثرات نہ سخت تھے نہ نرم وہاں کچھ نہیں تھا۔ بلکل ہوٹل کی کھڑکی سے نظر آتے اس آسمان کی طرح جو بلکل خالی اور سپاٹ نظر آرہا تھا۔ جتنی گہما گہمی باہر تھی۔ اس سے کہیں زیادہ خاموشی وجود کے اندر طواف کر رہی تھی۔ گولڈن موٹیوں والے کلچ میں موجود موبائل بجھنے لگا۔ سارہ چونکی۔۔۔ کلچ میں سے موبائل نکال کر سامنے کیا سفید روشنی آنکھوں کی پتلیوں میں جھانکنے لگی۔ پیغام خالد صاحب کی جانب سے تھا۔ وہ بلا توقف کے لفٹ کی جانب بڑھی تھیں۔



جاری ہے۔۔۔

باقی آئندہ قسط میں

بِل صر اڑا ط

عنیزہ نراہد

"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برائیں، ایک بد ترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انٹی لیتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھے جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ اور یہ کہ میں نشیں ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت پکھا دیں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

اکبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

اتو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'اپھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پر مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اسکے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے والے دیا۔

[Click here](#)

لیسن ٹھن

اب دل اعتیاض

"بیہاں دستخط کرو غازہ !" کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس انجینی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بناؤالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بری طرح کا پنچے تھے۔ وہ تو اسافی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر اکڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنالیا کرتی تھی، کچھ دھنڈے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی جست میں جان موجود ہوتے۔

"میری رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ !" سیکر کا چند روز قبل کہا کیا جملہ کان کے پر ابھر اخفا۔ "جس کا تھام نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سیکر ! اور یہ نیاد حمورارت شہی شاید میں کھونے کے لیے ہی بناری ہوں۔" دل میں اس کے کہہ کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے لہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی بر باد کر کے تم بیہاں سکون سے سورہ ہو۔ شام سے میتو بھجے فون کر رہی ہے اور میں اس کافون نہیں اٹھا رہا جاتی ہو کیوں؟ کیوں کی میں اس سے بے دفائلی کرنے پر بے حد شرمند ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو جاہا ہے اور تم زبردستی ایک بڑا نسیل کی طرح میرے سر پر آگئی ہو۔" وہ بالوں میں با تھا جلا تاہو اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انتیلی رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی کا باپ نے احجاز دی تھی۔ وہ بترے اتے کر اس کے نزد یک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں لکھج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتباہی آہنگی سے کہا

"کیوں نکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفافی کی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہو تا تو قتب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں گلچ ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ میمن کے مجرم تم بوجو محض اپنے باب کی لاٹھ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ میںے پر بازو لپیٹے انتباہی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ لکھج بس جیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

تطمئن القلوب

"جانہ تو ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بخکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، جس سے (ال) طیم شروع ہوتا ہے، جس سے (ال) باری اورت سے تھنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔۔۔ بس میں ہے میرے نزدیک محبت! وہ بخطب کی انتہا پہ تھی۔" ایک وقت تھام میری تھنا تھے مگر اسٹاف ایک ہی تھنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔ ا" وہ رکی اور گہر انسانی لے کر بولی۔ "ایک بار بھائی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگِ حبِ اللہی تو اترتا نہیں۔۔۔ اہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا مجھے کہ۔ وہ بہت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تھنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہوں گا۔ شوہر کی تھنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکرا نی کو شوش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیرِ محض ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سگدھ ہو چکی تھی۔ دوسرا جانب زید کو چھکا گا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے بھکرا کا کیا ہد جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوكھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"میں، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھا دیا۔

"وہاں ہم نہیں ہے۔ تم ہر بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوكھلا گئی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے بیک جواب بھیک لگا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ کہی۔ شرم سے تو سچ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ تھگراہٹ میں گھل رہی تھی جتنی موم کی طرح۔

اچھا سنتے پر لقین ہیں تو تائیں نام؟" اس نے ذرتے ذرتے ناپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آئکس۔" وہ دم بخود گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ وہ اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ جیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

Click here

safareadab.com

وارث

فاتحہ ملک

انوشہ آرزو

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو پہنچائی؟"

رقیہ الجہی گئی۔ میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے پنڈگی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیسا عجیب ساسوال ہے۔۔۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔۔۔ میں ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!"

وارث جان ابھی بھی الجہاں اونچا۔ رقیہ میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کوپا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔ اس کے باقی الفاظ اندر کہیں دب کر رہے گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اوپنی آذاز میں بولنے کا سچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپٹھپڑا دیا۔۔۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہامہ وارث پا گیا۔۔۔

☆☆☆

"اب مر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتچالا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے پہنچ اور حسن خان وہیں دل تھام کر کھڑا ہو گیا۔ اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پکلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چکڑا تھا تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لیجنے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریف جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج حسن مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے ہے بننڈ۔۔۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا۔ "کیا؟؟ کیا کہا

ہے تم نے۔۔۔ کون ہے یہ؟؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناولِ مجادِ عرضِ تمنا کوئی کیسے کی دلک جھلک

"کیا مجھے بھول گئی تھی---؟" اس کی آواز میں سختی
تھی۔ وہ کچھ نہیں بول پار رہی تھی۔۔۔

" بتاؤ کیا مجھے بھول گئی تھی---؟" اب کی بار اس کی
آواز اونچی ہوئی تھی۔۔۔

اس نے نفی میں سر ہلا�ا تھا۔۔۔

"مجھے دھوکا دینے جا رہی تھی۔۔۔؟" اس نے برہمی
سے استفسار کیا۔۔۔

اس بار بھی اس نے نفی میں سر ہلا�ا تھا۔۔۔

"پھر یہاں کیا کرنے آئی تھی۔۔۔" وہ خاموش اسے
دیکھ رہی تھی جب چاند کی ہلکی سی روشنی سے اس کی
گھٹری کا ڈائل چکا تھا۔۔۔

"کیا محض میری قربت کیلئے خود کو اس حد تک گرا
لیا۔۔۔؟" اس نے اس تضمیک آمیز جملے پر بے ساختہ
ہی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔۔۔ اس کی آنکھ سے
آنسوٹ کر گرا تھا۔۔۔ اس نے خود کو اس کی



غُرہِ اقبال

بجالِ عرضِ تمنا کریں کیسے

"میں کون ہوں---؟" وہ اس کی جانب قدم لیتے ہوئے سختی سے بولا۔۔۔ وہ اپنے کئے پرندامت زدہ نہیں تھی۔۔۔

"ہاں کون ہوتا ہے؟" وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چیخنی تھی۔۔۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کیلئے اب وہاں سے نکلا ممکن نہیں رہا تھا۔۔۔ وہ راستہ بند کئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔۔۔ اگر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کر رہا تھا تو وہ بھی ہر خوف کو پیس پشت ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جواب دے رہی تھی۔۔۔

"کیوں نہ چل کر یہ بات تمہارے ماں باپ سے پوچھ لی جائے۔۔۔؟" وہ کہہ کر اک پیل کور کا اور پھر تھوڑا قریب ہوتے ہوئے اس نے اس کے پیچھے لہراتے پردے کو اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑتے ہوئے اک جانب کو سر کا دیا تھا۔۔۔ وہ خود وہاں سے ہٹا نہیں تھا بس اس نے پردے کو پکڑتے ہوئے اک جانب کو جھٹکا دیا تو وہ خود ہی راڑ کے اختتام پر جا کر اکٹھا ہو گیا تھا۔۔۔ اس سنائی میں یوں پردے کے ہٹائے جانے

نظر وہ میں کس قدر بے وقت کر دیا تھا۔۔۔ اس نے کسی ٹرانس کی صورت میں ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ کو چھونا چاہا تو اس نے فوراً سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے اس حرکت سے روک دیا۔۔۔ "جو ہاتھ نامحرم کو چھوئیں وہ پھر محرم کو چھونے کیلئے پاک نہیں رہتے۔۔۔" اک تحریر تھی جو اسے اس کے لمحے میں محسوس ہوئی تھی۔۔۔ اک سچ تھا جو اس کے منہ پر مارا گیا تھا۔۔۔ وہ جانتی تھی وہ آئے گا اور وہ آیا تھا۔۔۔ وہ جانتی تھی اسے اس کے اس عمل سے تکلیف ہو گی مگر وہ غلط تھی۔۔۔ تکلیف اسے خود کو ہو رہی تھی۔۔۔ وہ اس کو زیل کروانا چاہتی تھی مگر اس وقت وہ خود ذلت محسوس کر رہی تھی۔۔۔

اگلے ہی پل اس نے اسے زور سے دھکا دیا۔۔۔ "تم ہو کون۔۔۔؟" وہ نہیں۔۔۔ ہاں مزاق اڑاتی نہیں۔۔۔ اور پھر آگے بڑھی تھی کہ اس نے برق رفتاری سے دوبارہ سے اس کی کلائی پکڑتے ہوئے اسے واپس کھینچتے ہوئے دیوار کی جانب دھکا دیا۔۔۔

"تم مجھے سٹاک کر رہی تھی۔۔۔؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اور وہ ان آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بتا سکتی تھی کہ اک مسکراہٹ تھی جس نے اک پل کو اس کے لبوں پر بسیر اکیا تھا۔۔۔

وہ بس اسے دیکھتی رہی۔۔۔ اس کی نظر وہ نے اسے کئی جواب دے دیئے تھے۔۔۔

"ہاں اور پھر اسی لئے ہی تم اس کے قریب آئی۔۔۔ میرے لئے تم اور کیا کیا کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔۔۔؟" اس کے آخری سوال نے اس کا ٹرانس ٹوڑا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے تھپٹ مارنا چاہا مگر اس بار قدرے سخت گرفت سے اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔۔۔ "اب نہیں۔۔۔ اس کو چھونے سے پہلے

یہ ہاتھ اٹھاتی تو خود کو گنہ گار سمجھ کر کھالیتا۔۔۔" وہ اس کے کان کے کچھ قریب ہوایوں کے یہ جملہ جس قدر نزدیک سے سماں توں میں پہنچے گا اس قدر اسے تکلیف دے گا اور پھر شاید وہ اس کی ذلت کو۔۔۔ اس کی تکلیف کو محسوس کر سکے۔۔۔ "اب ہم دونوں ہی اک جگہ آکھڑے ہوئے ہیں۔۔۔ جہاں دونوں ہی اک

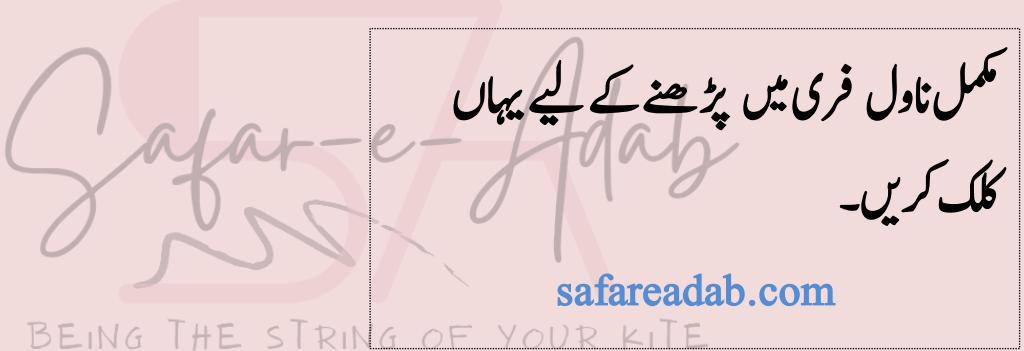
نے ارتعاش پیدا کیا تھا اور جب وہ آخری سرے سے لگا تھا تو اس کمرے کی خاموشی میں اس آواز نے خوف کا سایہ لہرایا تھا۔۔۔ پردے کے ہٹتے ہی پورا کمرہ چاند کی روشنی میں نہا گیا تھا۔۔۔ وہ اس روشنی میں اس کے چہرے پر لہر انے والا خوف کا سایہ دیکھ سکتا تھا۔۔۔ اور وہ اس کے چہرے پر اپنے لئے کیلئے حفارت دیکھ سکتی تھی۔۔۔

روشنی نے کچھ حد تک ان دونوں کے چہرے کو بھی واضح کر دیا تھا۔۔۔ وہ کسی ٹرانس میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔۔۔ اس نے کچھ کہا تھا مگر اس کی سماں توں تک اس کی بات نہیں پہنچ رہی تھی۔۔۔

"تم کیوں آئے ہو۔۔۔؟" اس نے اسی ٹرانس میں اس سے سوال کیا۔۔۔

"تم کیوں آئی ہو یہاں۔۔۔؟" سوال در سوال۔۔۔ "کیونکہ تم آرہے تھے۔۔۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔۔۔ اس ملاقات کا اس نے یوں ہونا تو نہیں سوچا تھا۔۔۔

دوسرے کے گنہگار ہیں۔۔۔ کوئی معصوم نہیں
رہا۔۔۔ تم بھی نہیں۔۔۔ "اس نے اک اک لفظ کو چبا
کر کھا تھا۔۔۔ زور دے کر۔۔۔ تاسف کے
ساتھ۔۔۔ اس کا لمحہ اس وقت بہت سے جذبات کی
عکاسی کر رہا تھا اگر کسی جز بے کی نہیں کر رہا تھا تو وہ
محبت کا جذبہ تھا۔۔۔ نرمی کا تاثر تھا جو اس کے لمحے میں
نہیں تھا۔۔۔



سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کا پی کو ہر
غلطی سے ماوراء بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی
بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا
جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ
حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی
ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل
استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر
ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب